فلسفہ

تعلیم و تربیت

مؤلف

محمد عطیہ الابراشی

(آف آکسفرڈ یونیورسٹی)

مترجم

رئیس احمد جعفری

سلسلۂ مطبوعات ع ۶۱

فلسفۂ تعلیم و تربیت

از

رئیس احمد جعفری

فہرستِ موضوعات

(۱)

تربیت اور اس کا مفہوم

مختلف تعریفیں ۱۷

موازنۂ آرا

(۲)

تربیت کی اہمیت ۲۱

اسکاٹ لینڈ کی مثال

رُوس کی مثال

برطانیہ کی مثال

تعلیم و تربیت

جیل خانہ اور علم

عبدالملک بن مروان کا مقولہ

امریکہ کی مثال

امریکہ کے مدارس اور مکتب

(۳)

فرق و امتیاز ۳۵

تعلیم کا معلّم سے مطالبہ

مدرّس کی کوتاہی

(۴)

صحیح اور موزوں تربیت ۳۸

علم و عمل

شاگرد اور اُستاد

تربیتِ صحیحہ

تربیت کے مبادیات

(۵)

تربیتِ صحیحہ ۴۴

وسائلِ تربیت

تربیت اور زندگی

(۶)

تربیتِ جدیدہ ۴۸

شرکت و تعاون

تربیت اور تربیت دہندہ

تلمیذ و مکتب

(۷)

تربیت ۵۴

جماعت اور فرد

اجتماعی موثرات

اجتماعیت

ماحول اور سوسائٹی

تربیت اور تجربہ

(۸)

تربیت کی غرض وغایت ۶۲

اغراض و مقاصد

(۹)

تربیت کے مختلف اقسام وانواع ۶۵

تربیت اور حیاتِ کاملہ کی تیاری

تربیت کا مقصد

(۱۰)

تربیتِ جسمانی ۶۸

تربیت اور مغرب

جسم اور عقل

(۱۱)

تربیتِ عقلی ۷۳

فہم اور حافظہ

کیا علم قوّت ہے ؟

قرونِ وسطیٰ کی تربیت

عقل اور چھری

(۱۲)

تربیت خلقی ۷۸

ماہرینِ تربیت کا خیال

دُوسرے اجزا

تربیت خلقی کا مقصد

(۱۳)

تربیتِ اجتماعی ۸۱

خود غرض

تہذیب و معقولیت

اجتماعی کاروبار

(۱۴)

تربیتِ جمالی ۸۵

اصول اور منہاج
خلاصۂ کلام

(۱۵)

اغراضِ تربیت ۸۹

اجتماعی مفاد
غرض و غایت
چینی مدنیّت
انگریزوں کا اندازِ تربیت
اغراض و مقاصد کی تبدیلی
مقصدِ زندگی
تحصیلِ علم
حیاتِ کاملہ

(۱۶)

عملی زندگی ۱۰۱

راہِ عمل
ماحول اور سماج
معلّم کی حالت
بچّہ اور زبردستی
عقل اور زندگی
عملی تربیت

(۱۷)

تربیتِ خلقی ۱۱۳

جان لوک کے اصول
افلاطون سے سوال
مہذّب آدمی
اخلاق کی تکوین

(۱۸)

تربیت خلقی ۱۲۰

گھر
مدرسہ
کھیل کا میدان
سوسائٹی

(۱۹)

اخلاق کے انفعالات ۱۲۳

اخلاق اور عمل
عمل پر وجدان کا اثر
عمل کے بارے میں کائٹ کی رائے

عمل کی بنیاد

(۲۰)

تربیت کے وسائل ۱۲۹

بچّہ کی سوسائٹی

خانگی تربیت کی اہمیت

گہرا اثر

(۲۱)

مدرسہ ۱۳۵

مدرسہ کی حیثیت

مدرسہ اور تعاون

مدرسہ اور اس کے فرائض

قیصر ولیم کی رائے

(۲۲)

مدرسہ ۱۴۲

انسان اور تجربہ

وحشی قومیں

سوسائٹی کی طلب

خلاصۂ کلام

(۲۳)

مدرسہ : سوسائٹی ۱۴۸

مکتبی سوسائٹی

مدرسہ کی زندگی

(۲۴)

مدرسہ کی حیاتِ اجتماعی ۱۵۱

اچھّا مدرّس

گھر کی کوتاہی

مدرسہ کی کامیابی

(۲۵)

گھر، مدرسہ اور کھیل کا میدان ۱۵۶

بچّہ اور کھیل

(۲۶)

بچّہ کی تربیت ۱۵۸

وسائلِ اشتراک

متمدّن اقوام

امریکہ کے مدرسے

یورپ کی ایک مثال

(۲۷)

بچپن اور بچپن کی شکلیں ۱۶۵
بچوّں کی تعلیم
مدرّس کی استعداد
بچہّ کی تربیت
کامیاب مدرّس
بچہّ کی حیثیت
بچہّ کی تربیت
تربیت کی اہمیت
قدیم تربیت کا نقص
بچہّ اور مشق
بچہّ کی طرف توجہّ
بچہّ کی حالت
بچہّ کا شعور
بچہّ کے سوالات
بچہّ کا جذبۂ کار
بچپن کی مصیبت
بچہّ کا احتجاج

(۲۸)

کھیل اور بچہّ کی نشوونما ۱۸۷
بچہّ اور کھیل
بچہّ کی نگرانی

(۲۹)

طفولیت کے دٌو مرحلے ۱۹۱
گھر اور مدرسہ
تعلیم کی عمومیت

(۳۰)

حُسنِ معاملت اور مساوات ۱۹۴
ایک مثال
ماں اور باپ
بدسلوکی اور عدم مساوات
یکساں برتاؤ

(۳۱)

بچوّں کی توجیہیں ۱۹۹
تعلیل اور توجیہ
قوّتِ توجیہ کی تربیت
حکایت
بچہّ اور آدمی میں فرق

(۳۲)

عربوں کا اصولِ تربیت ۲۰۵
احنف اور معاویہ

امام غزالی کا قول
بچہ اور خیر و شر
ہارون رشید کا واقعہ

(۳۳)

بچپن اور جوانی کے مراحل ۲۱۱

نفسیاتِ طفلی
پہلا مرحلہ
بچہ کا غصہ
مشاہدات اور تجارب
دُوسرا مرحلہ
تیسرا مرحلہ
چوتھا مرحلہ
ممیزاتِ وجدانیہ و عقلیہ

(۳۴)

بچوں کی انفرادیت ۲۲۲

بچہ اور سبق
مختلف بچے

(۳۵)

بچہ کا عقلی امتحان ۲۲۶

(۳۶)

معلمین کے بچے ۲۳۲

تربیت و تہذیب

(۳۷)

فنِ تدریس ۲۳۶

معلّم کا کام
مدرّس کی حیثیت
مدرّس کی اصلاح
مدرس کے واجبات
بچّوں کی نگرانی
آزادی
مدرّس کا عمل اور اثر
جیسا مدرّس ویسا مدرسہ
معلّمی کی تیاری
مدرّس اور نصاب
عمل کی محبت
حفظِ نظام
مدرّس پر اعتبار
اخلاصِ عمل

(۳۸)

مدرّس کی کامیابی ۲۴۹

ایک قصّہ!
چند اور باتیں!
تربیت کی تعلیم

(۳۹)

مدرّس کے صفات ۲۵۳

پہلے باپ یا مدرّس
اُستاد اور شاگرد
بچے اور بچپن کی تعلیم
مدرّس اور سوسائٹی
مدرّس کا نمونہ
مدرّس اور اخلاص
مدرّس اور زندگی
مدرّس اور بحث و اطلاع
مدرّس کی توجہ
مدرّس اور روحِ جدید
مدرّس اور عزیمت
مدرّس اور تندرستی
مدرّس کی شخصیت
خلاصۂ کلام

(۴۰)

درس کی تیّاری اور اس کی اہمیّت! ۲۶۷

ایک اہم بات
ایک مثال
علم اور تعلیم
چند مبادیات
تیّاری کے قواعد

(۴۱)

تدریس کے بنیادی قواعد ۲۷۵

ایک خاص بات
غرض کی تحدید
ایک اور اصول
قانونِ ربط
قانونِ انتباہ
ادراک و حواس سے استفادہ
افکار کی تعبیر
نشاطِ ذاتی
قانونِ استقراء استنباط
قانونِ قیاس
قانونِ عادت
علم اور عمل
تلمیذ اور اُستاذ
مدرسہ کا مقصد
بچہ کی فطرت

مختصر اسباق

(۴۲)

تدریس کے عام طریقے ۲۸۹
تدریس کے شروط
قدیم اسلوب

(۴۳)

تربیت کے جدید بنیادی مسائل ۲۹۳
مبادیات

(۴۴)

نئے تدریسی تجربے ۲۹۵

(۴۵)

طریقۂ استنباطیہ ۲۹۷
وضاحت
معنی اور ربط
نظام
طریق و اسلوب
نقد و تبصرہ

(۴۶)

طریقۂ قیاسیہ ۳۰۲
موازنہ

(۴۷)

طریقۂ اخباریہ ۳۰۴
طریقِ محاضرات کے عیوب

(۴۸)

طریقۂ سقراطیہ ۳۰۶
نقد و تبصرہ

(۴۹)

طریقۂ تنقیبیہ ۳۰۸

(۵۰)

ڈلٹن سسٹم ۳۰۹
مبادیات
اس سسٹم کے فائدے

(۵۱)

مانٹسوری سسٹم ۳۱۴
اس سسٹم کا مقصد
مبادیات
فوائد

مدرّس کے فرائض

(۵۲)

طریقۂ تمثیلیہ ۳۱۹

طریقۂ تمثیلیہ کے فوائد

تاریخ کی تدریس

(۵۳)

طریقۂ مشروع ۳۲۳

(۵۴)

طریقۂ تعب ۳۲۵

مدرّس کے واجبات

(۵۵)

ڈگرولی سسٹم ۳۲۸

مبادیات

(۵۶)

طریقۂ اعجاب ۳۳۲

(۵۷)

طریقۂ ابتکار و انتاج ۳۳۳

(۵۸)

طریقۂ تدریب و مزاتت ۳۳۴

(۵۹)

طریقۂ ارشادیہ ۳۳۶

(۶۰)

طریقۂ اختیار ۳۳۷

(۶۱)

سوالات کی اہمیت ۳۳۹

مشروط اسئلہ

سوالات کے فوائد

سوالات کی نوعیت

(۶۲)

جوابات ۳۴۵

جوابات کے شرائط

(۶۳)

وسائلِ ایضاح ۳۴۹

نمونے اور تصویریں

سینما کی افادیت

اکسکرشن
(۶۴)
لغوی وسائل ایضاح ۳۵۲
عبارت سے وضاحت
قصہ
وصف
شرح وتفسیر
(۶۵)
اسباق کے انواع ۳۵۵
معلومات
مہارت
ذوق و وجدان کی تربیت
طریقِ تدریس
(۶۶)
نصائح ۳۵۸
ضمیمہ نمبر ۱ ۳۶۲
عربی ماخذ
ضمیمہ نمبر ۲
انگریزی ماخذ ۳۶۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

S. DRIGH ROAD,
No ......
Date ......
LIBRARY

مقدّمہ

زیرِ نظر کتاب، اپنے موضوع پر بہترین کتاب ہے میرا خیال ہے، اُردو کیا، انگریزی زبان میں بھی، تعلیم و تربیت پر ایسی جامع و مانع، مکمل و مدلّل، اور موضوع کے تمام گوشوں پر حاوی کتاب نہیں ملے گی۔ مصر تیزی سے ترقی کر رہا ہے، اور زندگی کے ہر گوشہ میں اس کی ترقیاں حیرت خیز اور لائقِ رشک ہیں۔ تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی، وہ اسلامی ممالک کو بہت پیچھے چھوڑ گیا ہے۔ خالص علمی اور فنّی عنوانات پر، مصر نے ایسی مستند اور جامع کتابیں شائع کی ہیں، جو مصر تو مصر، امریکہ، انگلینڈ فرانس اور جرمنی کے لئے بھی باعثِ فخر ہوسکتی ہیں ؛

یہ کتاب فلسفۂ تعلیم و تربیت

جس دقّتِ نظر، تحقیق، اور کدو کاوش سے مرتب کی گئی ہے۔ اس کی افادیت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ سے زیادہ لوگ مستفید اور متمتع

ہوں - اسی خیال کے پیشِ نظر مَیں نے اسے عربی سے اُردو میں منتقل کیا ہے - اور ہمیں اُمّید ہے اُردو جاننے والا ہر باپ ، ہر ماں ، ہر طالب علم، ہر مدرّس ، ہر پروفیسر اس کا مطالعہ کرکے، اپنے اقدام و عمل اور فکر و نظر کی کئی راہیں تلاش کرے گا۔

شیخ نیاز احمد صاحب ، مالک کتاب منزل (کشمیری بازار لاہور) اُردو داں طبقہ کے شکر و سپاس کے مستحق ہیں کہ ناولوں اور افسانوں کی طلب کے اس دَور میں ، وہ ایسا صحت مند اور تعمیری لٹریچر پیش کرنے کی جرات کر رہے ہیں - یہ کتاب اس کی مستحق ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں اس سے پُورا استفادہ کیا جائے ۔

رئیس احمد جعفری

کراچی

۳۱ - مارچ ۱۹۴۹ء

تربیت اور اس کا مفہوم

تربیت ، اس کی تعریف اور اس کے اغراض و مقاصد سے متعلق ماہرینِ فن میں اختلاف ہے ، ذیل میں بعض قابل ذکر تعریفات ہم درج کرتے ہیں:-

مختلف تعریفیں

(۱) تربیت کا مفہوم یہ ہے کہ جسم و رُوح کو سراپا جمال بنا لیا جائے ، اور ان دونوں کو درجہ کمال تک پہونچا دیا جائے۔ (افلاطون[۱])

(۲) تربیت کی تعریف یہ ہے کہ اس سے عقل درجۂ کمال کو پہونچتی ہے ، اور قلب ارتقا کے آخری مدارج طے کرتا ہے۔ (جولیس سائمن[۲])

(۳) تربیت کی غرض و غایت ہے عقل کو حصول علم کے لئے تیار کرنا ، جس طرح زمین کھیتی باڑی کے لئے تیار کیجاتی

---

(۱) Plato مشہور فلسفی ، قدیم فلاسفہ کا سرتاج ، ولادت ۴۲۷ ق - م - ارسطو اس کا شاگرد تھا -

(۲) Jules Simon (۱۸۱۴ - ۱۸۹۶) فرانس کا مشہور فلسفی اور سیاستداں ، صاحب تصانیف کثیرہ ، اس کی کتابوں میں " مدرسہ طبعیہ" اور " مدرسہ اسکندریہ کی تاریخ " بہت مشہور ہیں!

ہے، (ارسطو[1])

(۴) تربیت وہ جوہر ہے جو انسان کو ہر کام کا اہل بنا دیتی ہے، خواہ وہ کسی نوعیت کا کیوں نہ ہو، طبیعت میں گہرائی، سوجھ بوجھ، اور مہارت پیدا کر دیتی ہے، خواہ امن کا زمانہ ہو یا جنگ کا، (جان ملٹن[2])

(۵) تربیت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو، حیات کاملہ برتنے کا گر سکھایا جائے۔ (پستالوزی[3])

(۶) تربیت کا مدعا یہ ہے کہ بچہ کے قوائے ذہنی کو نشو و نما کا پورا موقع دیا جائے۔ (ہربرٹ اسپنسر[4])

(۷) تربیت بچہ کی طبیعت کو سنوارتی ہے۔ تاکہ وہ اچھی، نیک، اور سچی زندگی بسر کر سکے۔ (علی[5])

---

(۱) Aristotle مشہور فلسفی، سکندر مقدونی کا استاد، افلاطون کا شاگرد، ولادت ۳۸۴ ق۔م۔ علوم و فنون پر متعدد قیمتی کتابوں کا مصنف،

(۲) John Milton (۱۶۰۸ء — ۱۶۷۴ء) انگریزی زبان کا مشہور شاعر، فن تربیت کا امام، تربیت کے فن پر متعدد قیمتی کتابوں کا مصنف شیکسپیر کے بعد، انگریزی کا سب سے بڑا شاعر،

(۳) Pestalozzi پورا نام یوحنا ہنری پستالوزی، فن تربیت کا ماہر خصوصی، سوئٹزرلینڈ میں ۱۷۴۶ء میں پیدا ہوا، ۱۸۲۷ء میں وفات پائی، غریبوں کی تعلیم و تربیت پر خاص طور پر متوجہ ہوتا۔ فن تربیت میں متعدد قیمتی کتابوں کا مصنف۔

(۴) Herbert Spencer فلسفۂ تربیت کا ماہر ۱۸۲۰ — ۱۹۰۳ء

(۵) Sulluy —— علم النفس اور تربیت کا انگریز استاد

(۸) تربیت سے مراد یہ ہے کہ ممکن حد تک کمال کا درجہ انسان حاصل کرے۔ (کانٹ[1])

(۹) تربیت کا مقصد یہ ہے کہ فرد امکانی حد تک اپنے ابنائے قوم کے کام آئے، ان کی مدد کرے۔ (ڈبلیو، ٹی، ہاریس)

(۱۰) تربیت، انسان کو پہلے اپنی مدد کرنا، پھر دوسرے کے کام آنا سکھاتی ہے (جیمزمل[2])

(۱۱) تربیت کاملہ وہ ہے جو انسان کی جسمانی صحت کو محفوظ رکھتی ہے۔ اور قوت بدنیہ کو سنوارتی ہے، جو اس کے قوائے عقلی و جسمانی کی نگہداشت کرتی ہے، تیزئ فہم، پیدا کرتی ہے اور ذکاوت و ادراک بڑھاتی ہے، فکر و نظر میں گہرائی پیدا کرتی ہے، شعور میں نزاکت اور جلا پیدا کرتی ہے، اپنے فرائض، ضمیر کی روشنی میں ذمہ داری کے ساتھ انجام دیتا ہے (ہیل)

موازنہ آرا سچ پوچھئے تو اپنی اپنی جگہ پر یہ ساری تعریفیں[3] صحیح اور درست ہیں، ہماری

---

(۱) Immanuel Kant جرمنی کا مشہور فلسفی (۱۷۲۴ — ۱۸۰۴ء)

(۲) James Mill یگانہ روزگار فلسفی (۱۷۷۳—۱۸۳۶ء)

(۳) مذکورہ بالا سطروں میں تربیت کے مفہوم و منشا سے متعلق جو تعریفیں مندرج ہوئی ہیں وہ "معلم اور مکتب" نامی کتاب سے لی گئی ہیں، ملاحظہ ہو باب ہشتم۔ صفحہ ۱۰۲-۱۰۳

"The Teacher and the School, By C. P. Colgrove.

رائے میں تربیت کا درست اور صحیح مفہوم یہ ہے
کہ وہ انسان میں کامل معیار کی زندگی بسر کرنے کی
صلاحیت پیدا کرتی ہے، اس سے بہرہ ور ہوکر انسان
اچھی زندگی بسر کرتا ہے۔ وطن کی محبت اس کے دل
میں جاگزیں ہوتی ہے، جسم کا مضبوط و توانا بن جاتا
ہے، اخلاق میں کامل اور یکتا بن جاتا ہے، اس کی فکر
میں ضبط و نظم ہوتا ہے، اس کا شعور نازک اور
حساس ہوتا ہے، وہ اپنے کام میں ماہر اور سبک
دست ہوتا ہے، دوسروں کے ساتھ تعاون اور اشتراک
کرتا ہے، اس کے قلم اور زبان سے جوبات نکلتی ہے
وہ بچی تلی، اور موزوں و مناسب ہوتی ہے، وہ جو کام
کرتا ہے، خوبی اور خوش اسلوبی سے انجام دیتا ہے، اگر
تربیت صحیحہ کاملہ سے ہم مذکورہ اغراض و مقاصد حاصل
کرلیں۔ اور یہی ہمارا مقصد و منشا ہے، تو اس کے
معنی یہ ہوئے کہ وطنی، جسمی، خلقی، عقلی، وجدانی، عملی
اجتماعی، جمالی، لغوی، ہر قسم کی تربیت حاصل ہوگئی،
اور انسان کامل بن گیا!

تربیت کی اہمیت

فرد — اور — جماعت کے لئے

فرد اور جماعت کا مدار کامرانی تمامتر صحیح اور موزوں تربیت پر ہے، یہی وجہ ہے کہ متمدن حکومتیں بڑی دریا دلی سے تعلیم و تربیت پر روپیہ صرف کرتی ہیں، انھیں معلوم ہے کہ تعلیم بجائے خود ایک قوت ہے، بہت بڑی قوت، تعلیم ہی کا سہارا لے کر آدمی ترقی کرتا اور جماعت آگے بڑھتی ہے، اسی کی بدولت، ترقی یافتہ مطمئن اور آسودہ، زندگی کی نعمت اور برکت حاصل ہوتی ہے، تاریخ سے بڑھ کر اس حقیقت کا کوئی شاہد نہیں کہ صحیح تربیت اور تعلیم نے، قوموں کو موت کی جانکنی سے نکال کر، زندگی کی شاہراہ پر لاکر کھڑا کردیا، ملکوں کو غفلت کی نیند سے جگا کر، دانش اور ہوشیاری کے ایوان میں پہنچا دیا، جو اپنے تئیں بھول چکے تھے انھیں چونکایا، اور چونچال کر دیا، ان کی آہنی بیڑیاں کاٹ دیں، اور آزروں مرہاسیف پر لا بٹھایا، موبسرہ کے باشندوں کو تعلیم ہی کے ذریعہ لپستالوزی نے جگایا اور

بیدار کیا، انھیں پکارا، اور راہ پر لایا، یہی وجہ ہے کہ وہ زندگی میں بھی سُرخ رو رہا، اور مَوت کے بَعد بھی پُوجا گیا، صرف موبسرہ میں نہیں، ساری دُنیا میں، پوری کائنات میں، آج موبسرہ کی آزادی تمام تر رہینِ منت ہے۔ پستالوزی کی یاد گار تعلیم کی، اسے ہرگز آزادی نہ ملتی، اگر تعلیم کا دامن اس کے ہاتھ میں نہ ہوتا،

نپولین نے پروشیا کو شکست دی، زبردست اور یادگار ہزیمت، اس نے پروشیا کی قوت توڑ دی، اور پھر یہ قوم اس وقت تک نہیں ابھر سکی، جب تک اس میں تعلیم عام نہ ہوگئی، اور تربیت کے دروازے سب کے لئے نہ کھل گئے، ایک موقع پر بسمارک نے کہا تھا، ہم اپنی پڑوسی قوم پر، سپاہیوں سے زیادہ معلموں کے بل پر غالب آئے

اسکاٹ لینڈ کی مثال

انگریزی کے ایک مشہور جج اور ادیب کا خیال تھا کہ اسکاٹ لینڈ، کے دورِ جہالت میں شقاوت عام تھی، قانون کی نہ کوئی وقعت تھی نہ اہمیت، جرائم پیشہ لوگ، ہمہ وقت، امن و اماں میں خلل ڈالا کرتے تھے، لوگوں کے سکون اور یک سوئی میں حارج ہوا کرتے تھے، اسکاٹ لینڈ نام ہی ایک مستقل عیب بن گیا تھا، جب بھی اس کا ذکر کیا جاتا حقارت اور ذلت کے ساتھ، لیکن جب وہاں عمومی طور پر جبری تعلیم

کا قانون نافذ ہوا، اور نا خواندہ لوگوں کی تعلیم کا پروگرام عمل میں لایا گیا، اور بچے غول کے غول مکتبوں اور مدرسوں میں پہنچنے لگے، تو اسی بد نام اسکاٹ لینڈ کی کایا پلٹ گئی، اب لوگوں کی زبانوں پر اس کا ذکر تعریف و توصیف کے ساتھ آنے لگا۔ اس کی فکر بلند ہوگئی، اس کا اخلاق سنور گیا، آداب و اوصاف میں بہت آگے بڑھ گیا، دنیا نے ایسی مثالیں بہت کم دیکھی ہوں گی،

اسکاٹ لینڈ کی آب و ہوا اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی، وہاں کے شجر و حجر اب بھی وہی ہیں جو پہلے تھے، وہاں کے مناظر طبیعی بھی وہی ہیں اور ان میں کوئی فرق نہیں آیا، لیکن قوم بدل گئی اور یہ تغیر، کس نے کیا؟ تعلیم نے! تعلیم نے اس میں ایسا تغیر پیدا کیا کہ وہ دنیا کی بہت بڑی قوم بن گئی، طبیعت اور مزاج میں، اخلاق و عادات میں، فہم و تدبر میں، اقتصاد و صنعت میں تجارت اور کار و بار میں، ہر باب میں ہر چیز میں اس نے تغیر قبول کر کے ایک نئی زندگی کی عمارت تعمیر کرلی، اور اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اسکاٹ لینڈ ہی کے کاندھوں نے، انگریزی شہنشاہیت کا بوجھ اٹھایا، اور اسکاٹ لینڈ ہی کے ہاتھوں نے برطانوی سامراج کی بنیاد رکھی۔

روس کی مثال

دسویں صدی میں، اور گیارہویں

صدی عیسوی کے نصف اول میں، یورپ کے حکمران، اور حکام سراپا ظلم و استبداد تھے، اور خاص طور پر روس میں تو ظلم و جور کی چکی بڑی تیزی سے چل رہی تھی، یہ برسر اقتدار طبقہ ہمیشہ اس سے ڈرتا رہا کہ عوام کہیں دولتِ علم سے مالا مال نہ ہو جائیں، اس کا عقیدہ تھا عوام میں تعلیم کا وہی تناسب ہونا چاہیئے۔ جو کھانے میں نمک کا ہوتا ہے۔ زیادہ ہوا، اور ذائقہ بگڑا، ان لوگوں کا مقولہ تھا، "آج تم غریبوں کو تعلیم دو۔ کل یہ تمہارے مخالف ہو جائیں گے"!

لیکن آج تجربہ نے، اور تاریخ نے، ثابت کر دیا کہ حکمران طبقہ کا یہ وہم کتنا غلط اور بے بنیاد تھا، اور دنیا جان گئی کہ تعلیم ہی، عوام کو قابو میں رکھنے، اور انھیں راہِ راست پر لانے کا بہترین ذریعہ ہے، تعلیم کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عوام کی فکر رسا ہو جاتی ہے، سیدھے راستہ پر چلنا آسان ہو جاتا ہے، عقل دور اندیش بن جاتی ہے، اچھائی اور برائی میں امتیاز پیدا ہو جاتا ہے، کھوٹے میں سے کھرے کو چھانٹ لینے کا ملکہ پیدا ہو جاتا ہے، ورنہ جاہل ہمیشہ ہوا کے رُخ پر چلتا ہے، جیسے ایک تنکا، جسے جب چاہے ہوا اُڑا لے جائے، اور جدھر چاہے اڑا لے جائے، وہ ہوا پر بھروسہ کرتا ہے، اپنی عقل پر نہیں کرتا،

برطانیہ کی مثال ۱۹۳۱ء میں حکومت برطانیہ نے محسوس کیا کہ وہ بعد از جنگ کے قرض کے بوجھ تلے دبی ہوئی ہے، چنانچہ کفایت اور بچت کا پروگرام بنا کر، بہت لمبی کانٹ چھانٹ حکومت کے مصارف میں کی گئی، اس سلسلہ میں کچھ کمی محکمۂ تعلیم میں بھی کی گئی، بس پھر کیا تھا، ایک طوفان برپا ہو گیا، انگریز قوم کے مفکروں، اور مدبروں کی طرف سے، بڑا سخت مورچہ حکومت کے خلاف قائم کر دیا گیا، ان لوگوں کا مطالبہ تھا، ہر چیز میں تخفیف کر دو ہمیں ذرا بھی اعتراض نہیں، لیکن خبردار تعلیم کے بجٹ میں ایک پائی کی بھی کمی نہ ہونے پائے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ انگریز قوم تعلیم کو کیا اہمیت دیتی ہے، اور اس راہ میں ہر قربانی کے لئے کس طرح تیار اور آمادہ رہتی ہے،

اب یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے، تعلیم کی عمومیت سے قوم اور ملت کو کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ اگر مجرمین کے اعداد و شمار پر غور کیا جائے کہ دورِ جہالت میں ان کا تناسب کیا تھا؟ اور تعلیم کے بعد کیا رہا، تو صاف معلوم ہو جائے کہ انسان کی سیرت پر تعلیم و تربیت کس طرح اثر انداز ہوتی ہے؟ اس کا اثر صرف فرد پر نہیں پڑتا، بلکہ جماعت پر بھی پڑتا ہے۔ ڈکٹر ہیوگو نے کتنی سچی بات کہی ہے، جس نے مدرسہ کھولا، اس نے، جیل خانہ کے دروازے

پر تالا لگا دیا!" یہ قول اس کا مستحق ہے کہ موٹے اور روشن حرفوں میں، ہر مکتب و مدرسہ پر، اور ہر میدان میں آویزاں کردیا جائے۔

تعلیم و تربیت

ان حالات میں یہ بات باعث حیرت نہیں کہ انگلستان میں ذہین لڑکوں کی اس طرح پرورش اور پرداخت کی جاتی ہے، جیسے نازک پھولوں اور کلیوں کی، تاکہ وہ پروان چڑھیں اور قوم ان کی ذکاوت اور ذہانت سے فائدہ اٹھائے وہاں ابتدائی، پھر ثانوی، پھر جامعاتی تعلیم کی حوصلہ افزائی پر بڑا زور دیا جاتا ہے۔ اس سلسلہ میں اگر لارڈ برکن ہیڈ کا ذکر کیا جائے، تو شاید بیجا نہ ہو، یہ وہی بزرگ ہیں، جو سنہ ۱۹۲۹ء میں مزدور گورنمنٹ کے سربرآوردہ وزرا میں تھے، یہ ایک غریب گھرانے کے پیدا وار تھے، ابھی آغوش مادر میں تھے کہ باپ کا انتقال ہو گیا، ماں نے اس نو نہال کی، اور اس کے بھائیوں کی تعلیم و تربیت پر پوری توجہ کی، برکن ہیڈ میں ذہانت زیادہ دیکھی، اس لیئے اس کی طرف زیادہ متوجہ ہوئی، ہر وقت اسے اپنی نگاہوں کے سامنے رکھتی، یہ آکسفرڈ گیا تاکہ وہاں سے ابتدائی امتحان پاس کرے، جیب اتنی خالی تھی کہ واپسی کا کرایہ تک نہیں تھا، لیکن وہ امتحان میں کامیاب ہوگیا، اور سرٹیفکیٹ مل گیا، اسی سرٹیفکیٹ پر، اس کے مستقبل کا انحصار

تھا، اب اس کی پوچھ ہونے لگی ، امرا کے لڑکوں
کے ساتھ وہ تعلیم حاصل کرنے لگا ، اس کی
ذہانت برابر اپنا سکّہ بٹھا رہی تھی ، وہ تقریر بڑی
سلجھی ہوئی کرتا تھا ، اس کی باتوں میں بڑائی جھلکتی
تھی ، خیالات مدلّل ، اور باتیں تاثیر سے لبریز ، ایک
انتخابی جلسہ میں آنجہانی مسٹر جوزف چیمبرلین تشریف
لائے ، انھیں یہ نوخیز طالب علم بہت بھایا ، موصوف
نے اس طالب علم سے استدعا کی کہ یونیورسٹی کے
آخری امتحان میں کامیاب ہوکر اُن سے ملے ، چند
سال کے بعد اس نے یونیورسٹی کے آخری امتحان میں
کامیابی حاصل کرلی ، اور جوزف چیمبرلین سے جاکر ملا،
اس نے اُسے اپنی جماعت میں شریک کرلیا ، اور رفتہ
رفتہ عزیب برکن ہیڈ اس درجۂ بلند کو پہونچ گیا ، جسکی
تمنا کی جاسکتی تھی ، اگر برکن ہیڈ کی تعلیم و تربیت
ادھوری رہ جاتی ، تو اس کی ذکاوت و ذہانت ، قبر میں
زندہ دفن ہو جاتی ،

جیل خانہ اور علم تعلیم ہی وہ واحد وسیلہ ہے ، جسے
بروئے کار لانے کے بعد جیل
کے دروازوں پر تالا لگایا جاسکتا ہے ، یہی ایک
وسیلہ ہے جس کا سہارا لے کر فرد ، ترقی کے انتہائی
مدارج پر فائز ہوسکتا ہے ، اور جماعت زیادہ سے
زیادہ فروغ پذیر ہوسکتی ہے ، قوموں اور ملتوں کی سر
بلندی کا یہی ایک راز ہے ، ایک روز حضور رسالت

تابؐ باہر نکلے ، آپ نے دو گروہ دیکھے ایک گروہ وہ تھا جو خدا کی طرف دعوت دے رہا تھا ، اور اس کے راستہ کی طرف بلا رہا تھا ، اور دوسرا گروہ لوگوں کو تعلیم دے رہا تھا ، آپ نے فرمایا ، "پہلے گروہ کے لوگ اللہ سے مانگ رہے ہیں ، وہ اگر چاہے دے ، نہ چاہے نہ دے ، اور یہ دوسرا گروہ ، لوگوں کو تعلیم دے رہا ہے ، اور میں خود معلّم بنا کر بھیجا گیا ہوں !" پھر آپ اس گروہ کے ساتھ بیٹھ گئے۔ اس طرح حضور سرورِ کائنات نے ہمارے سامنے تعلیم و تربیت کی حوصلہ افزائی کی مثال پیش فرمائی ، اور تعلیم کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا ،

مروان کا مقولہ! عبدالملک بن مروان نے ایک روز اپنے بیٹوں سے کہا ، "بچو ، علم حاصل کرو ، اگر تمھیں سرداری ملی ، تو تم اور اونچے ہو جاؤ گے ، اگر ، طبقہ اوسط سے متعلق رہے ، تو سیادت کا موقعہ تمھیں ملے گا ، اور اگر تم عام آدمی کی طرح ہوئے تو بھی اچھی زندگی گزار لو گے !" اور مصعب بن زبیر نے ایک مرتبہ اپنے صاحبزادے سے فرمایا ، "علم حاصل کرو ، اگر تم بد صورت ہو ، تو صاحب جمال بن جاؤ گے ، اگر تم مفلس ہو ، تو مال دار ہو جاؤ گے ! اصل بات تو یہ ہے کہ علم اس کے لئے حسن ہے جو حسن سے محروم ہو ، اور اس کے لئے دولت ہے ، جو تہی دست و نادار ہو ،

شیکسپیر کا قول ہے، "علم ایسا پر پرواز ہے، جس سے کام لے کر ہم فضائے آسمانی میں اڑ سکتے ہیں!"

ایک فرانسیسی کا قول ہے، "یہ ساری دنیا ترقی کی طرف گامزن ہے، غور و فکر کے راستے سے، اور یہ قطعاً محال ہے کہ کوئی قوم تعمیم تعلیم کے بغیر ترقی کر سکے، اور، کوئی آدمی بھی، جہل اور پستی کے گڑھے سے نکل نہیں سکتا، جب تک علم کی سیڑھی اس کے پاس نہ ہو، !" یہ تمدن اور تہذیب، علم کی کثرت اور اختراع و ایجاد کی فراوانی، اور یہ نت نئی جدّتیں، جو ہم روز دیکھتے رہتے ہیں، تمام تر نتیجہ ہیں، تربیت اور تعلیم عامہ کا، ایسی تعلیم جو قوم اور ملت کے تمام طبقات میں یکساں جاری و ساری ہو،

جارج واشنگٹن۔ جو امریکہ کا نجات دہندہ، اور آزادی دلانے والا ہے، ایک موقع پر کہتا ہے:۔

"علم ہی وہ تنہا راستہ اور مضبوط بنیاد ہے
جس سے عوام و جمہور کی صلاح کا کام لیا
جا سکتا ہے!"

آج کے دن تک ہر امریکی، جارج واشنگٹن کی اس نصیحت پر دل و جان سے عمل کر رہا ہے، واشنگٹن نے مرنے سے پہلے جو خطبہ دیا، اس میں اس نے کہا تھا،

"تمھیں سب سے پہلے، اور سب سے بھلا جو کام کرنا چاہیئے۔ وہ یہ ہے کہ تعلیم کو عام کرو، مدرسوں

کے دروازے ہر طالب علم کے لئے کھول دو!"

کیا ان اقوال و اعمال سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی قوم اس وقت تک نہیں ترقی کرسکتی جب تک علم حاصل نہ کرلے،

جمہوریہ امریکہ کے تیسرے صدر نے، ایک موقع پر، کہا تھا، اور کتنا سچ کہا تھا:-

"اگر جہالت کے دور میں، کوئی قوم آزادی حاصل کرنے کی امید کرے، تو وہ ایک ایسے واقعہ کو رو نما ہوتا دیکھنا چاہتی ہے جو کبھی بھی رو نما نہیں ہوگا!"

تربیت اور تعلیم ہی ایسی چیز ہے جو انسان کو راز خودی، اور رمز خود شناسی سے آگاہ کرتی ہے، جس سے انسان، دوسروں کو سمجھتا ہے، اس سے فرد، اور جماعت کو ترقی کا وسیلہ ملتا ہے، دوسرے الفاظ میں یوں سمجھئے کہ تعلیم ہی اقوام و ملل کی ترقی کا سبب ہے۔

امریکہ کی مثال

امریکی ماہرین تعلیم و تربیت میں چند لوگ خاص طور پر نمایاں، اور ممتاز حیثیت رکھتے ہیں، ان لوگوں نے، اپنے دیس میں تعلیم کو عام کرنے، ہر ہر فرد کو جہالت کی لعنت سے نکالنے، اور قوم کو بہ حیثیت مجموعی خواندہ اور تعلیم یافتہ بنانے کے لئے بڑی کوشش اور جد و جہد کی ہے، انھوں نے چپے چپے پر مدرسے اور مکتب کھولے، اور آج یہ حالت

ہے، کہ امریکہ بچوں کے لئے بوستان نغمہ و موسیقی بنا ہوا ہے، جہاں انھیں حب وطن کی تعلیم دی جاتی ان میں وطنیت اور قومیت کا جذبہ پیدا کیا جاتا ہے، تحفظ حقوق کی راہ دکھائی جاتی ہے، اپنی آزادی کی حفاظت کا ولولہ پیدا کیا جاتا ہے، امریکہ کے یہ مدرسے ہی، وہ تنہا وسیلہ ہیں جو وہاں کے لوگوں میں وحدت کا جذبہ پیدا کئے ہوئے ہیں، یہی وہ ذریعہ ہے جس نے وہاں کے مختلف عناصر کو ایک بنا رکھا ہے، ان کے اختلاف و نزاع کو ختم کردیا ہے، ان کے اختلاف عادات و طبائع میں توازن پیدا کیا ہے، ان میں نظم و ضبط کا مادہ ابھارا ہے وہاں بہت سے باشندے ہیں، جو اسکاٹ لینڈ کے رہنے والے ہیں، یا ویلز، اور انگلستان کے باشندے ہیں، یا آئرلینڈ، فرانس، جرمنی، روس، اٹلی، شام کے رہنے والے ہیں، ایسے مختلف، متضاد، اور متبائن، عناصر کے لوگوں میں وحدت پیدا کردینا کوئی آسان کام نہیں ہے، لیکن ولایات متحدہ امریکہ کے مدارس کی عمومیت نے وحدت پیدا کردی ہے۔ اور سب کو "امریکی" بنا دیا ہے اور اُن لوگوں کے دل میں یہ جذبہ پیدا کردیا ہے کہ ہم کہیں کے بھی رہنے والے ہوں، لیکن جس سرزمین کو ہم نے اپنا دیس بنا لیا ہے۔ اَب ہم اس کے فرزند ہیں، وہی ہمارا وطن ہے، اس کے لئے ہم جئیں گے

اسی کے لئے ہم مرینگے، آج وہ صرف امریکی ہیں، امریکی کے سوا کچھ نہیں، اگر امریکہ اچھا ہے، تو وہ بھی اچھے ہیں، اگر امریکہ بُرا ہے تو وہ بھی بُرے ہیں، یہ وہاں کے مدرسوں ہی کا طفیل ہے، جنھوں نے، جنس، دین اور طبقہ کے اختلاف کے باوجود ایک سرزمین پر انھیں ایک بنا دیا ہے، جہاں کوئی تفریق نہیں، کوئی خلیج نہیں، کوئی امتیاز نہیں،

امریکہ کے مدارس اور مکتب

امریکی لوگوں کے دلوں میں مدارس اور مکاتب کی بڑی وقعت ہے، بڑی قدر کی نگاہ سے یہ لوگ تعلیم گاہوں کو دیکھتے ہیں، امریکنوں کا عقیدہ ہے کہ اچھی تعلیم و تربیت ہی کے بل پر امریکہ اس منزل پر پہونچ سکتا ہے کہ ساری دنیا کی رہنمائی کرے، ساری دنیا کے افکار، خیالات، اختراعات، صناعات کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لے، یہی وجہ ہے کہ آپ دیکھیں گے کہ تعلیم پر وہ ہنسی خوشی بے دھڑک روپیہ خرچ کرتے ہیں، بلکہ پانی کی طرح بہاتے ہیں، ان مصارف کو وہ بوجھ نہیں سمجھتے، بلکہ اُسے ایک فرض کی طرح ادا کرتے ہیں، جو قوم اور مِلّت نے ان پر عائد کرا دیا ہے، وہ قوم جس پر انھیں فخر ہے، وہ مِلّت جس کا نام وہ گردن اٹھا کر لیتے ہیں، اور جس کی ترقی اور فروغ کے لئے وہ ہمہ تن جد و جہد بنے ہوئے ہیں،!

امریکہ میں تعلیمی ٹیکس، صدقہ اور خیرات کی طرح نہیں دیا جاتا، بلکہ ایک فرض کی طرح ادا کیا جاتا ہے۔ کہ جس کے بغیر، قوم کی فلاح و ترقی ممکن ہی نہیں، وہ جانتے ہیں کہ قوم کی ترقی منحصر ہے صرف اچھی تربیت اور اچھی تعلیم پر، ان کا عقیدہ ہے کہ تعلیم پر جو کچھ صرف کیا جاتا ہے وہ رائیگاں نہیں جاتا، بلکہ مع سود در سود کے واپس مل جاتا ہے، جاہل کا اچھا کام بھی اچھا نہیں سمجھا جاتا، بلکہ ہمیشہ اسے خطرناک قرار دیا جاتا ہے، جاہل کے ہاتھ میں اگر کوئی اچھا آلہ ہو تو وہ چھین لیا جاتا ہے، کیونکہ ہمیشہ اس کے لئے ضرورت رہتی ہے، کہ کوئی ایسا آدمی ہو جو اس کی رکھوالی کرے، نگرانی کرے، برتنے کا صحیح طریقہ بتائے۔ نہ اس میں احساس ذمہ داری ہوتا ہے، نہ وہ ضمیر کی آواز سن پاتا ہے، اپنے جہل کے سبب وہ نہیں جان سکتا کہ اپنی فراغت کے اوقات کس طرح امور نافع میں صرف کرے، کس طرح اپنے نفس کی اصلاح کرے، کیونکر مسرت حاصل کرے؟ کیونکر ورزش کرے؟ ادبی کتابوں کا مطالعہ کس طرح کرے؟ مناظرے، مباحثے، اور لیکچر سے کیونکر لطف اندوز ہو؟ جب وہ یہ کچھ نہیں کر پاتا، تو شراب کا عادی بن جاتا ہے، جوا کھیلنے لگتا ہے، برائیوں سے اپنا دامن الجھا لیتا ہے، قانون کو اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے، یہاں تک کہ ہر جماعت، اور گروہ کے لئے

وہ ایک مستقل، اور دائمی، خطرہ بن جاتا ہے،

چونکہ امریکہ میں یہ نقائص نہیں ہیں، وہ علم حاصل کرنا، اور علم سے کام لینا جانتا ہے اس لئے وہاں کارخانے کھل رہے ہیں، فیکٹریاں قائم ہو رہی ہیں۔ خشک زمینوں کو سرسبز و شاداب بنایا جا رہا ہے، جنگلوں سے دولت کمائی جارہی ہے ، کانیں کھودی جا رہی ہیں، فارغ البالی کا دور دورہ ہے، ریلوے کی سڑکوں کا جال پھیلایا جا رہا ہے، دولت کو بڑھانے، اور فائدے حاصل کرنے کے ذرائع بروئے کار لائے جارہے ہیں، ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ امریکہ دُنیا کی تمام قوموں اور ملکوں سے زیادہ دولتمند ہے۔ اس کی صناعت وزراعت سب سے آگے ہے اس کی تجارت روز بروز بڑھ رہی ہے۔ غرض ترقی کا ایک دور ہے جو قائم ہے ؛

فرق و امتیاز

تعلیم اور تربیت کے درمیان

کیا تعلیم و تربیت کے مفہوم و منشا میں کچھ فرق ہے؟ اگر ہے تو کیا؟ نگاہِ غور سے دیکھیئے، تو معلوم ہوگا کہ تربیت اور تعلیم کے مفہوم و مطلب میں بہت بڑا فرق ہے، تربیت سے مراد ہے، ہر ممکن وسیلہ اور ذریعہ سے کام لے کر فرد کو تیار کرنا، اس میں استعداد پیدا کرنا، تاکہ وہ اپنے رجحان و میلان سے فائدہ اٹھا سکے، تاکہ وہ اچھی اور ٹھیک زندگی بسر کر سکے۔ اور اس سماج کے لئے مفید ثابت ہو سکے جس کا وہ ایک جزو ہے، تربیت میں ہر قسم کی تربیت شامل ہے، تربیت وطنی، جسمی، خلقی وغیرہ یہ سب تعلیم و تربیت ہی کا ایک جزو ہے، تربیت تعلیم سے عام ہے، اس کے ذریعہ مواہب فطرت انسان کے سامنے اُجاگر ہوتے ہیں، اور ان سے بہرہ ور ہوکر ہم منتہائے کمال تک پہونچ سکتے ہیں۔ ہمارا عمل منظم ہو جاتا ہے، ہماری مسرت دائمی ہو جاتی ہے

تربیت دینے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ بچہ کا اچھی طرح جائزہ لے، اس کے وجدان، میلان رجحان، جسم، عقل، ذہن، ہر چیز کو پرکھے۔

تعلیم کا معلّم سے مطالبہ

تعلیم ــــ معلم سے اس سے زیادہ کچھ نہیں چاہتی کہ وہ تعلیم دے، تلقین کرے، جو معلومات چاہے پیش کرے، آرا اور افکار کو جس رنگ میں اور جس ڈھنگ سے چاہے سامنے رکھے، معلم، کان لگاکر سنے گا۔ سر جھکاکر سمجھے گا غور اور فکر سے کام لے گا۔ اور تربیت میں ہر چیز کی گرید ہوتی ہے، بحث ہوتی ہے، ردو کد سے کام لیا جاتا ہے، اس میں اتحاد نفس ضروری ہے، صحوبت سے بچنے اور وسائل کے مہیا کرنے کی ہمت سے کام لیا جاتا ہے، تعلیم میں سمع و طاعت سے کام لیا جاتا ہے، تربیت میں غور و فکر سے، بچّہ، تربیت کے دور میں سوچتا ہے، تعلیم کے دور میں رٹتا ہے، تعلیم، تربیت عقلی کا جزو ہے، اس کا مقصد ہے، معرفہ کا حصول، مہارت کا ادراک، اور روایت کی پرکھ، اور تربیت شخص اور فرد کو، علمی اور عملی زندگی کے لئے تیار کرتی ہے، اس کے جسم و عقل میں جلا اور روح پیدا کرتی ہے۔ اس کے اعصاب اور عضلات میں قوت اور توانائی پیدا کرتی ہے، اب سمجھ میں آگیا ہوگا کہ تعلیم و تربیت میں کافی فرق ہے، اور میں

سے ہم یہ توقع رکھتے ہیں کہ وہ صرف سبق نہ دیں نتائج بھی دیکھیں، وہ لڑکے کے سامنے، جو مواد پیش کریں، وہ کامل ہو کافی ہو، شافی ہو، ہم تعلیم کے اتنے محتاج نہیں ہیں، جتنے تربیت کے،

مدرس کی کوتاہی!

آج کل کے دور میں، یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ مدرس اپنی ترقی اور طالب علم کے امتحان میں کامیاب ہونے کی کوشش سے سوا کچھ نہیں کرتا، اس کے نزدیک بدن کی، جسم کی، عقل کی، روح کی، ذہن کی دماغ، اخلاق کی تربیت کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتی، وطنی تربیت کو بھی وہ ہیچ سمجھتا ہے، اور عمل کی اہمیت کی طرف بھی متوجہ نہیں ہوتا، وہ صنعتی، زرعی، تجارتی اور فنی تربیت کو بھی ضروری نہیں سمجھتا،

نظامِ تعلیم میں ہم جو اصلاح چاہتے ہیں وہ صرف یہ ہے کہ معلم، مربی بن جائے، وہ تربیت کا کوئی گوشہ تشنۂ توجہ نہ چھوڑے، اگر ہم یہ مقصد حاصل کرلیں، تو ہم اس منزل تک پہنچ جائیں گے، جہاں تک ہم پہنچنا چاہتے ہیں، ہماری ابتدائی اور ثانوی تعلیم ایک اچھے معیار کی حامل ہو جائے گی۔ پھر تعلیم مفید ہوگی، اور ثمر بخش، اور ہم وہ زندگی بسر کرسکیں گے جو کسی کا بھی منتہائے نظر ہو سکتی ہے، اس کے علاوہ ہم اور کچھ نہیں چاہتے۔

صحیح اور موزوں تربیت

اثرات — و — نتائج!

بچپن کی تربیت جوانی اور بڑھاپے تک قائم رہتی ہے، اسی لئے معلمین کے لئے یہ ضروری ہے کہ بچہ کی تربیت پر وہ خاص طور پر زور دیں اور اس کی اہمیت کسی قیمت پر بھی نظر انداز نہ ہونے دیں، اور یہ تربیت بہت صحیح اور موزوں اصول پر ہو، اگر صحیح اور موزوں اصول پر ہوئی تو بڑھاپے تک کام دے گی. عادت طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے، اور صحیح تربیت کی نشانی یہی ہے، کہ جو کچھ سکھایا یا بتایا جائے، وہ طبیعت ثانیہ بن جائے، تربیت صحیحہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ معلم پند و موعظت میں کمی نہ کرے، اور متعلم، سیکھنے اور سمجھنے میں بخل سے کام نہ لے، یہاں تک کہ وہ ان اقدار کا حامل ہو جائے۔ جو ایک مکمل انسان کے لئے ضروری ہیں، مدرس کے لئے ازبس ضروری ہے کہ وہ صرف تعلیم ہی کی اہمیت نہ محسوس کرے، بلکہ تعلیم سے کہیں زیادہ تربیت کو اہمیت دے، تربیت سے

مراد، عقل، حواس، ارادہ، جسم، ذاتی، وجدان، ہر چیز کی تربیت ہے۔

علم و عمل! ہم ایک علم حاصل کرنا چاہتے ہیں، وہ ہم نے حاصل کرلیا، صرف اتنا ہی کافی نہیں ہے ضروری ہے کہ علم کو ہم اپنے عمل سے ثابت کریں، یہی تربیت ہے، مدرس کا فرض ہے کہ وہ اپنے طلبا میں، اخلاق عادات صالحہ، اور فکر و نظر کی گہرائی پیدا کرے، تعلیم و تربیت کے ماہرین ہمیشہ اس اصول پر زور دیتے رہے ہیں، چنانچہ اس موقع پر کومینوس[1] کا وہ اصول خاص طور پر قابل ذکر ہے، جو اس نے اپنے فلسفہ تعلیم و تربیت میں ممتاز طور پہ داخل کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ موسیقی اور نقاشی بھی، تربیت عقلی و جسمی کے لئے بہت ضروری ہے روسو کا قول ہے کہ بچّہ کے پہلے معلّم اُس کے پاؤں، ہاتھ اور آنکھیں ہیں، پستالوزی کا خیال ہے کہ علم کے ساتھ اگر عمل نہ ہو تو وہ بیکار محض ہے، آخر اس سے کیا فائدہ کہ معلّم نے، حفظانِ صحت، ریاضی، زبان، اور دوسرے فنون کے قواعد و ضوابط معلوم کرلئے، لیکن ان پر عمل نہ کرسکا؟ آنکھ کو محفوظ رکھنے کا اصول معلوم کرلیا جائے، مگر اس کی حفاظت نہ کی جاسکے تو اس سے فائدہ؟

---

[1] جان اموس کومینوس (۱۵۹۲ ــ ۱۶۷۰ء) جرمنی کا مشہور ماہر تعلیم و تربیت اس کی بہت مشہور کتابوں میں "تعلیم کا رہنما" بڑی اچھی کتاب ہے۔

پاکی اور پاکیزگی پر اگر ایک گندہ آدمی ایک اچھی سی تقریر کر ڈالے تو اُسے کون توجہ اور دلچسپی سے سُنے گا؟ صرف و نحو، فصاحت و بلاغت کے تمام اصول زبانی یاد کرائے جائیں، لیکن لب و لہجہ غلط ہو، گرامر غلط ہو، ترکیبیں غلط ہوں، لکھنے کی اہلیت نہ ہو، سمجھنے کا مادہ نہ ہو، صحیح زبان استعمال کرنے کا ملکہ نہ ہو، تو حاصل؟ ضرب، تقسیم اور جمع تفریق کا اصول معلوم ہونے کے باوجود، اگر آدمی یہ نہ بتا سکے کہ اس نے اگر ایک دوکان دار سے دس آنے کی چیز ایک روپیہ دے کر خریدی، تو اب اس کے پاس کیا بچا؟ تو اس سے کیا حاصل؟

شاگرد اور استاد

فروبل نے تربیت و تعلیم کے لئے اسے ضروری قرار دیا ہے کہ شاگرد کے ساتھ استاد کو، تعلیم و تلقین کے علاوہ ذاتی طور پر بھی اس کے کردار، و عمل سے دلچسپی لینا چاہیئے، اور اس کے پاس جو کچھ ہے وہ شاگرد کے سینہ میں انڈیل دینا چاہیئے، امریکہ کے ایک مشہور ماہر تعلیم و تربیت کا بیان ہے کہ ناکارہ تربیت خطرناک ہے، مدارس میں سبق رٹانے کے سوا کوئی کام نہیں ہوتا، اور پڑھانے والے بک بک کے سوا کچھ نہیں جانتے، اور بسیار گوئی کا شمار تعلیم میں نہیں کیا جاسکتا، مدرس کا کام صرف یہ نہیں ہے کہ وہ بتادے اور اُسے کافی سمجھ لے، بلکہ یہ دیکھے اس نے جو کچھ بتایا وہ سکھایا بھی ہے یا نہیں؟ معلم کے لئے ضروری ہے کہ وہ مربی بن جائے اور تربیت کو آلۂ کار بنا کر تعلیم دے،

تربیت کے صحیح اصول کو اگر ہم پیش نظر رکھیں تو جغرافیہ کے معلم کے لئے بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ کتابوں اور تصویروں سے جغرافیہ کی تعلیم دے، بلکہ یہ بھی ہے کہ وہ انھیں ہر چیز کی حقیقت سے روشناس کردے، انہیں نہروں اور گھاٹیوں، سمندروں اور میدانوں، دریاؤں اور وادیوں، کے ساتھ ساتھ قوموں اور ملتوں اور ملکوں کی ماہیت و فوائد بھی بتائیے، اسی طرح حساب کے ماسٹر کے لئے صرف اتنا کافی نہیں ہے کہ وہ عام ضروریات کے قاعدے یاد کرادے، بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں اس طرح برتنا سکھائے کہ وہ روز مرہ کی زندگی میں کام دے سکیں، اسی طرح زبان کے معلّم کو صرف اس پر اکتفا نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اصطلاحیں اور ان کی تعریفیں رٹا دے، بلکہ یہ بھی ہے کہ اُن کی بار بار مشق کرائے، نئی نئی مثالیں دے، بار بار تطبیق دے، یہاں تک کہ وہ قواعد اور اصول، ذہن میں رچ جائیں، اور پڑھنے میں لکھنے میں بات چیت میں مدد گار ثابت ہوں

ہم یہ نہیں معلوم کرنا چاہتے کہ طالب علم نے کتنا یاد کر لیا، بلکہ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس میں اپنے علم کو بروئے کار لانے کی استطاعت کتنی پیدا ہوئی؟ کیا وہ اچھی بات پرکھ لیتا ہے؟ کیا وہ معاملہ میں اچھا ہے؟ کیا اُسے اپنی صحت کا خیال ہے؟ کیا وہ تکلیفوں کو خندہ جبینی کے ساتھ برداشت کرسکتا ہے؟ کیا وہ اطاعت مند اور صالح ہے؟ کیا وہ اپنے فرائض کو خوبی و خوش اسلوبی کے ساتھ

ادا کرتا ہے؟ وہ فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی تو نہیں کرتا وہ جرم اور گناہ کی طرف راغب تو نہیں ہے؟

تربیت صحیحہ! تربیت صحیحہ کا پہلا تقاضہ یہ ہے کہ علم کے ساتھ عمل کی قدرت بھی حاصل ہو جائے، بصارت کے ساتھ بصیرت بھی کام کرتی ہو، دور اندیشی کا جوہر بھی کار فرما ہو، نیک اور پاکیزہ عادتیں بھی جزو زندگی بن چکی ہوں، اخلاق و کردار میں استحکام اور قوت ہو، خوشی اور غم میں بے قابو نہ ہو جاتا ہو، امانت اور اعتمادِ نفس کا حوصلہ بھی ہو، صحت کی فکر ہو، معقول بات کو مان لینے کی عادت ہو، ضمیر کی رہنمائی میں چلنے کی سکت ہو، صرف اسی طرح معلّم اپنے علم سے فائدہ اٹھا سکتا ہے، اور اپنی زندگی سنوار سکتا ہے، صرف اسی طرح، تجربات، نظریات، اور حقائق علمی سے وہ بہرہ ور ہو سکتا ہے،

تربیت کے مبادیات! تربیت صحیحہ کے لئے ضروری ہے کہ:۔

(۱) حدِ کمال تک پہونچنے کی عملی جد و جہد،

(۲) مواہب خطرہ سے انتفاع، جو بچہ ہر آن اور ہر گھڑی دیکھتا رہتا ہے، ان کی دل میں اتر جانے والی توجیہ، کیونکہ اگر توجیہ کمزور ہوئی، تو وہ متعلم کے دل میں نہیں بیٹھے گی، اور اس کی طبیعت اُچٹ جائے گی،

(۳) ذہین اور ہوشمند طلبہ کی حوصلہ افزائی،

(۴) حواس، عقل، جسم، وجدان، توجہ،

(۵) متعلم کی ذات سے دلچسپی، یعنی پڑھانے سے نہیں سکھانے سے بھی واسطہ رکھنا،

(۶) متعلم کو مشق و مہارت اور غور و فکر کے لئے، کافی وقت دینا تاکہ اطمینان سے وہ اپنے ذہن و دماغ میں، پڑھی ہوئی اور سیکھی ہوئی چیزیں راسخ کر سکے،

معلّم کو یہ پیش نظر رکھنا چاہئے، کہ وہ ہر روز وقت مقررہ پر، پند و نصیحت کا دفتر کھول کر نہ بیٹھ جائے، بلکہ طلبا کے سامنے بتائی ہوئی چیزوں کی مثالیں پیش کرے کہ علم سے اتنا احساس نہیں پیدا ہوتا جتنا نمونہ اور مثال کو دیکھنے کے بعد پیدا ہوتا ہے۔

اگر ہم یہ کہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہیں کریں گے کہ تربیت، عمل کا دوسرا نام ہے، اسی طرح تلامذہ کے دل میں ابھرنے اور بڑھنے کا مادہ پیدا کیا جاسکتا ہے یاد رکھنا چاہئے کہ عمل، علم سے تیز ہوتا ہے، اور علم بغیر عمل کے ہیچ ہے۔

تربیت صحیحہ!

وسائل ـــ و ـــ ذرائع!

موجودہ زمانہ میں ترقی یافتہ قومیں تعلیم و تربیت کو اتنی اہمیت دیتی ہیں کہ تاریخ عالم کے کسی دور میں اس کی مثال نہیں ملتی، وقت کے اہم ترین مسائل میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ یہی ہے کہ صرف اسی مقصد کے حصول پر، ملک و قوم کی فارغ البالی اور ترقی منحصر ہے۔ آج کے بچے کل قوم بنیں گے، اور ضرورت ہے کہ انھیں پائندہ تر اور مضبوط تر بنانے کے لئے، ان کی تربیت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کیا جائے، کوئی بھی لیڈر اور رہنما، اس مسئلہ سے غفلت نہیں کر سکتا، بشرطیکہ وہ اخلاص کے ساتھ اپنی قوم اور ملت کو سربلند کرنا چاہتا ہو، ترقی یافتہ اور اونچی قوموں کا ہر فرد، اس احساس سے بھرپور ہے، باپ کو یہ فکر ہوتی ہے کہ بیٹے کو زیادہ سے زیادہ جوہر تربیت سے نوازدے، معلم یہ یہ چاہتا ہے کہ متعلم خوب سے خوب تر ہو جائے، ماں کی یہ تمنّا ہوتی ہے کہ اس کا بیٹا، یا بیٹی، زیور علم و تربیت سے محروم نہ رہنے پائے۔ اور یہ لوگ ہر امکانی

ذریعہ ، اور وسیلہ اختیار کر کے اس مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر شخص مدرسہ اور تعلیم کے بارے میں فکر مند ہے ، اس مسئلہ پر بحث کرنے سے کوئی بھی نہیں چوکے گا ، معلمین خاص طور پر اس فکر کے شکار ہیں ، تعلیم و تربیت کے اصول ، طرز اور طریقے میں تو اختلاف ہو سکتا ہے ، لیکن نفس تربیت و تعلیم کے بارے میں ہرگز کوئی اختلاف نہیں ہے ، اس لئے کہ اطفال کی تربیت ، دوسرے لفظوں میں پوری قوم کی تربیت ہے۔

وسائل تربیت وسائل تربیت میں ، باپ اور مدرس کا عمل ہی کام نہیں کرتا ، بلکہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جو ذہن و دماغ اور اخلاق و کردار پر اثر انداز ہوتی ہیں ، جو ان کے حدودِ اختیار سے باہر ہیں ، مثلاً موثرات طبیعیہ ، یہ موثرات طبیعت پر بہت زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں ،

روسو کا قول ہے کہ انسان اپنے آباؤ اجداد سے جو کچھ وراثتہً حاصل کرتا ہے ، علم ، تجربہ ، اور اطلاع سے جو کچھ پاتا ہے ، اپنے عمل کے دوران میں جو کچھ محسوس کرتا ہے ، ممالک غیر کا سفر کر کے جو کچھ دیکھتا پاتا ، جانتا ، اور سیکھتا ہے ، اپنی ذات کے علاوہ دوسرے لوگوں ، خاص کر دوستوں ، اور رفیقوں کے ساتھ رہ کر مل کر حاصل کرتا ہے ۔ عادت ، نظم و ضبط ، اور قوانین

کے مطالعہ سے جو کچھ سیکھتا ہے، جماعتوں اور گروہوں کے ساتھ اشتراک و تعاون کر کے جو کچھ دیکھتا، اور پاتا ہے، یہ سب تربیت نفس اور تربیت ذات کے بہترین وسائل ہیں، انسان کی سیرت اور کردار پر ان کا غیر معمولی اثر پڑتا ہے، اور تربیت کا جو مقصد ہے وہ بڑی حد تک ان مشاہدات سے حاصل ہو جاتا ہے۔

تربیت کے بہت سے وسائل و ذرائع ہیں، لیکن ان سے انسان، یک بیک دو چار نہیں ہوتا، رفتہ رفتہ عمر اور وقت کے مختلف مرحلوں میں دو چار ہوتا ہے اور فائدہ اٹھاتا ہے، یہاں تک کہ وہ درجہ کمال تک پہنچ جاتا ہے۔

فروبل کا قول ہے کہ تربیت صحیحہ، انسان کی رہنمائی کرتی ہے، اسے صحیح راستہ دکھاتی ہے، اسے معرفت نفس کا درس دیتی ہے، اسے تقدیر طبیعی سے آشنا کرتی ہے، اللہ کی وحدت پر اس کا اعتقاد مستحکم کرتی ہے اور انسان کو اونچے درجہ تک پہنچا دیتی ہے۔

تربیت اور زندگی!

تربیت کی ذہنی حیثیت ہے، جو خود انسان کی زندگی کی ہے، تربیت کا کام، بچہ کی ولادت کے وقت سے شروع ہو جاتا ہے، بلکہ ولادت سے پہلے ہی تربیت کے عوامل کام کرنے لگتے ہیں، اور ولادت کے بعد بچہ، تو ہر لمحہ، تربیت کا فلسفہ، بچہ کی نشو و نما، اخلاق و عادات اور سیرت و کردار پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے، بچہ کا دماغ اور

اعضا، اور قویٰ، یہ سب چیزیں اسے اپنے آباؤ اجداد سے ورثہ میں ملتی ہیں، اور تربیت دینے والا پھر انہیں سنوارتا اور نکھارتا ہے، اس کی مثال بالکل طبیب کی سی ہے، طبیب کسی کو زندگی بخش نہیں سکتا، کسی کی زندگی بڑھا نہیں سکتا (غلط طبیب زندگی کو کم، اور ختم ضرور کرسکتا ہے) لیکن وہ ایسا گر ضرور بتا سکتا ہے اور ایسا علاج ضرور کرسکتا ہے جس سے طبیعت بیمار نہ ہو، اور بیماری کا اثر نہ قبول کرے، انسان صحت مند اور توانا رہے، ہاں یہ تو چاہتی ہے کہ خانگی مصروفیات کے باوجود بچہ کی تعلیم پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرے لیکن وہ یاد نہیں رکھتی کہ بچہ کے ساتھ اس کا رکھ رکھاؤ، محبت، شفقت پیار، غصہ، نفرت، چومنا، چاٹنا، مارنا، پٹینا، ان سب چیزوں کا براہِ راست، لیکن بالکل غیر شعوری طور پر بچہ کی تربیت پر اثر پڑتا ہے، وہ تربیت، جو بچہ ماں کی گود میں حاصل کرتا ہے، بچہ کی ساخت اور پرورش، تقویم اور تہذیب بن جاتی ہے اور اس سے وہ صحت حاصل کرتا ہے، مسرت حاصل کرتا ہے، اور درجۂ کمال تک پہونچتا ہے۔

تربیت جدیدہ

رہنمائی ——— نگرانی ——— نصیحت

عہد جدید میں تربیت کا مفہوم یہ ہے کہ اطفال کی رہنمائی کی جائے، ان کے ساتھ گھل مل کر رہا جائے، بات چیت اور ہنسی مذاق میں انھیں صحیح راستہ دکھایا جائے، ان کے ساتھ جبر نہ کیا جائے، تعاون کیا جائے تاکہ آباؤ اجداد سے جو کچھ انہیں وراثت میں ملا ہے وہ صحیح طور پر بر آئے اور، جب بھی وہ بھٹکتے ہوئے نظر آئیں، خوبی و خوش اسلوبی سے انہیں صحیح راستہ پر ڈالا جائے، ان کے قوی کو ایسے سانچے میں ڈھالا جائے کہ قوی بن سکیں، اور کام کے آدمی بن جائیں، نصیحت اور پند کا مقصد تلمیذ کی امداد ہو، کہ وہ خود، خوب و زشت میں تمیز کر سکے، بس اس سے زیادہ کچھ نہیں، اسے حکم نہ دیا جائے، حقیقت کھول کر رکھدی جائے، اس پر جبر نہ کیا جائے، زور نہ دیا جائے، اب وہ خود ہی نپٹ لے گا، غلط سے ہٹ جائے گا، اور صحیح پر آجائے گا۔!

شرکت و تعاون! لڑکے اپنے کاموں میں دوسروں کی شرکت کے جویا رہتے ہیں، استاد کے

لئے مناسب ہے کہ کھیل کود میں ان کا ساتھ دے، ان کے کاموں میں ان کا ہاتھ بٹائے، ان کی مدد اس طرح کرے کہ وہ محسوس نہ کرسکیں، (ان کے ارادہ اور امنگ پر وہ پہرہ دار تو بن جائے، لیکن روک نہ بنے) ان کے ساتھ ایسا برتاؤ رکھا جائے کہ وہ خود ہی اپنا کام کریں غلطی کریں مضائقہ نہیں، خود ہی اُسے محسوس کریں گے، اور رہنما کی طرف ہاتھ اپنی مرضی سے بڑھائیں گے، اپنے منہ سے مدد مانگیں گے، اَب وقت ہے کہ آپ ان کے امور میں مداخلت کریں، اس مداخلت کو وہ شکریہ کے ساتھ قبول کریں گے۔ اور آپ کو ممنون نگاہوں سے دیکھیں گے۔

نئے زمانہ کی تربیت یہ چاہتی ہے کہ استاد، شاگرد کی اسی وقت مدد کرے، جب وہ خود چاہے، ایسا ہوتا ہے کہ لڑکا کھیل میں دشواری محسوس کرتا ہے، جو کرنا چاہئے وہ نہیں کرپاتا، جو نہ کرنا چاہئے وہ کر گزرتا ہے، اب وہ اپنی غلطی کو سلجھانے کی کوشش کرتا رہے، لیکن کامیاب نہیں ہو پاتا، استاد کے لئے اَب وقت ہے کہ ہمدردی کے ساتھ غلطی ٹھیک کردے لیکن اس طرح کہ وہ خود بھی، محسوس کرلے کہ غلطی کیا تھی اور ٹھیک کیا ہے؟ فرض کیجئے حساب کا کوئی سوال ہے، وہ آپ کی طرف امداد طلب نگاہ سے دیکھتا ہے، آپ کیا کریں گے؟ کیا مدد کرنے بیٹھ جائیں گے؟ نہیں، اسے کرنے دیجئے، اسے غلطی کرنے دیجئے، اپنا کام

وہ خود کرے، اگرچہ غلطی کیوں نہ کر گزرے، جب وہ غلطی کر چکے، تو آپ شوق سے اس کی مدد کیجیے، مشق کرائیے، بالکل راہِ راست پر لے آئیے، اب وہ آپ کی مدد کی قدر کرے گا، شاگرد میں اعتماد نفس پیدا کیجیے، وہ خود اپنے اوپر بھروسہ کرنا سیکھے، اس کی رہنمائی اس طرح ہونی چاہیئے کہ فائدہ کے بجائے اُسے نقصان نہ پہونچے، لڑکا تو یہ چاہتا ہے کہ آپ اس کی مدد کریں، لیکن وہ یہ نہیں پسند کرتا کہ آپ اس کی جگہ لے لیں، اور اس کا کام آپ اپنے ہاتھوں انجام دے دیں، وہ اس وقت بڑا خوش ہوتا ہے، جب دیکھتا ہے یہ سوال وہ خود حل کرسکتا ہے، اس کی مدد صرف اس وقت کیجئے، جب وہ یہ محسوس کرلے کہ یہ کام اس کی طاقت سے زیادہ ہے

تربیت اور تربیت دہندہ!

تربیت کے لئے تربیت دہندہ ضروری ہے، اگر مقدمات درست ہوں گے، تو نتائج بھی ٹھیک ہوں گے، اگر مقدمات نادرست ہوں گے، تو نتائج بھی ٹھیک نہیں ہوں گے، اگر تربیت صحیح ہے تو اس کا نتیجہ بھی اچھا نکلے گا، اگر غلط ہے، تو اس کا نتیجہ کبھی بھی اچھا نہیں برآمد ہوسکتا، اگر کوئی قوم یہ چاہتی ہے، کہ اس کی حالت سدھرے، اس کے تاجر، ملازم، حکمراں طبقہ کے لوگ اچھے ہوں تو ضروری ہے کہ وہ تربیت پر خاص زور دے، مدرسین اور مدارس کی طرف خاص توجہ کرے، تربیت اور تعلیم کے اصولوں کو

دیکھے، پرکھے، جانچے، اور جلد سے جلد انھیں بروئے کار لائے۔

ہم ایک مثال دیتے ہیں، یوں سمجھئے، ایک شخص ہے جو سائیکل چلانا سیکھنا چاہتا ہے، ایک دوسرا ہے، جو اچھی طرح چلانا جانتا ہے، وہ پہلے آدمی کی اس طرح مدد کر سکتا ہے کہ اسے ہینڈل گھمانا، اور اس کے استعمال کا صحیح طریقہ بتادے، اور سائیکل کا رُخ اس طرف کردے، جدھر وہ جانا چاہتا ہے، لیکن چلائے گا وہی جو سیکھ رہا ہے، بار بار مشق کرے گا، گرے گا، اور پھر چڑھے گا، تو وہ ایک اچھا سائیکلسٹ بن جائے گا، سائیکل چلانا اُسے کس طرح آیا؟ صحیح رہنمائی سے صحیح تربیت سے:

رہنمائی کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں،! اس نقطۂ نظر کا تعین، جو مقصود و مطلوب ہے، اور عمل کی ایسی تربیت، جو مقصود و مطلوب کے حصول میں مدد گار ہو ان دو اصولوں کو ہر وقت پیشِ نظر رکھنا چاہئے، اسلئے کہ طفل نو آموز ایک بڑا قیمتی جوہر ہے، اُسے ہر غلطی اور غلط روی سے بچانے کے لئے پوری کوشش کرنی چاہیئے اس لئے کہ قوم عبارت ہوتی ہے افراد سے، اور افراد کی رہنمائی قوم کی رہنمائی ہے۔

دانشمندانہ رہنمائی اور اچھے اور قابلِ تقلید عمل کا نمونہ، سبق آموز نصیحتیں، بچہ کی تربیت میں بہت کام آتی ہیں، اس میں اچھی عادتیں پیدا کرتی ہیں، عمل

کا نتیجہ دیکھنے کی خواہش پیدا کرتی ہیں، نتائج کو پرکھنے کی استعداد پیدا کرتی ہیں، صلہ اور انعام کی تمنا کے بغیر فرض کو ادا کرنے، اور نیک کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں، وہ اپنے ہر کام میں اللہ کو دخیل پاتا ہے اور اس طرح خود اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے۔

تلمیذ و مکتب جب لڑکے مدرسے جاتے ہیں تو مدرسے میں پہونچنے سے پہلے انھوں نے جو معلومات اور کیفیات حاصل کئے تھے انھیں بھی اپنے ساتھ لے جاتے ہیں، وہ مدرسے میں کچے پھل کی طرح آتے ہیں، انھیں پکانا یا بگاڑنا ہمارا کام ہے، اگر ان کی سمجھ کے مطابق ان سے باتیں کی گئیں، استعداد کے مطابق کام لیا گیا، کام کی مشق کرائی گئی، تجربہ سے ان کی مدد کی گئی، نرمی اور محبت کا برتاؤ کیا گیا، کہانی، کہانی اور قصے قصے میں انھیں کام کی باتیں بتائی گئیں، تو وہ بگڑنے نہیں پائیں گے، بچوں کی فطرت اور جبلت یہ ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ دوسرے لوگوں سے دلچسپی لیتے ہیں، اعمال میں، اعتقادات میں، حرکات میں، سکنات میں، فکر و نظر میں، اغراض و مقاصد میں، وہ دوسروں کو دیکھکر ویسا ہی بننا چاہتے ہیں، ان کے سامنے جو نمونہ ہوگا، اسی کی تقلید کریں گے، اب یہ معلّم کا کام ہے کہ وہ تقلید کیسی ہو؛ طوطے اور بندر کی سی، یا فکر و دانش کے اثرات کے ماتحت؟

موجودہ زمانہ کی تربیت، جزِ مجرد نہیں ہے کہ ایک

بات بتادی، اور وہ کافی ہو گئی، ایک سبق پڑھا دیا اور اسے یاد کرا دیا - آج کل عملی اور زندہ تربیت دیکھی جاتی ہے، جو شاگرد میں، آزادی فکر، اعتماد نفس، اور جدو جہد، کا جذبہ پیدا کرے، پس ضروری ہے کہ آج کا مدرسہ خارجی زندگی کا پکچر ہاؤس بن جائے، جس میں زندگی کا ہر گوشہ اُجاگر اور روشن ہو، وہ زندگی سے دور نہ ہو، قریب ہو، بلکہ یکسر زندگی ہو، مدرس کا فرض ہے کہ وہ تلمیذ کو انسان کامل بنادے، جس کا بدن مضبوط ہو، فکر مستحکم ہو، ارادہ قوی، شخصیت دل آویز ہو، جو وطن کا دوست ہو، کام کا ماہر ہو، زبان و قلم سے قوم کی خدمت کرسکتا ہو، دوسروں کے ساتھ اشتراک وتعاون کی زندگی بسر کرسکتا ہو، وہ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہو اپنے کانوں سے سنتا ہو؟-

تربیت

ایک اہم اجتماعی فرض!

جماعت افراد سے مرکب ہوتی ہے، یہ ایک دوسرے سے مربوط افراد جماعت بن جاتے ہیں، اور یہ جماعت کسی خاص مقصد کے حصول کے لئے عالم وجود میں آتی ہے، اور پھر بہت سی جماعتیں مختلف اغراض و مقاصد، مختلف مفاد اور نقطۂ نظر کو لے کر نمودار ہوتی ہیں، اور اُن کا مجموعہ قوم یا حکومت کہلاتا ہے۔

ان تمام جماعتوں میں سے ہر جماعت، اپنے ممبروں اور ماننے والوں پر ایک خاص اثر رکھتی ہے، جیل خانہ کے قیدی بھی جماعت بناکر زندہ رہتے ہیں، اور چوروں کا گروہ بھی جماعت کی شکل میں قائم ہوتا ہے طلبا، ڈاکٹر، معلم، کھلاڑی، سب جماعتیں تربیت دیتی ہیں اور ہر جماعت کے افراد پر، جماعت کا رنگ غالب ہوتا ہے اور یہ رنگ عادت، اخلاق، سیرت، کردار غرض زندگی کے ہر شعبہ پر غالب ہوتا ہے

جماعت اور فرد	جماعتوں کے لئے یہ ضروری نہیں ہوتا

کہ ان کے افراد سب کے سب ایک ہی ساتھ رہتے ہوں، یا ایک ہی جگہ پر مجتمع ہوں، مذہبی، فنی، علمی، ادبی، طبی، مختلف اقسام و انواع کی جماعتیں ہیں، جن کے افراد ہر گوشۂ عالم میں بکھرے ہوتے ہیں، بایں ہمہ، جماعت کے ہر فرد، جماعت کا تالبعدارہ اور خیر سگال ہے، جماعت کے ان افراد کے درمیان، رلبط و تعلق مل جل کر رہنے سے نہیں، خیالات و نظریات سے ہے، اور ان کی تبلیغ اخبارات و رسائل، اور کتابوں کے ذریعہ برابر ہوتی رہتی ہے، بحث و اختراع، فکر و نظر، تجربہ اور مشاہدہ کے نئے نئے گوشے کھلتے ہیں اور اس طرح جماعت کا ہر فرد خواہ وہ کتنے ہی دور دراز مقام پر کیوں نہ ہو، اپنی جماعت کی سرگرمیوں سے واقف رہتا ہے، اور جماعت سے اپنا تعلق پوری مضبوطی اور استواری کے ساتھ قائم رکھتا ہے۔ فکر و نظر کی ترقی کا یہ سب سے بڑا عمل ہے، جو برابر کام کر رہا ہے۔

اجتماعیت اور جماعتی زندگی کا سب سے بڑا، اور مؤثر عامل، صرف تربیت ہے، لیکن یہ تربیت عہد طفلی سے ہونا چاہیئے، اور وہ بھی اجتماعی طور پر، تربیت ماضی پر مبنی ہوتی ہے، اور مستقبل کو حسین بناتی ہے، سچ پوچھئے تو انسان کو سنوارنے اور بنانے اس کی اجتماعی، زندگی کو رو براہ کرنے اور اس کی اجتماعی زندگی کو ترقی سے روشناس کرنے کی تمام تر ذمہ داری تربیت ہی پر ہے، تربیت ہی ایک وحشی کو مہذب بنا سکتی ہے، جہل کی تاریکی سے نور

نور کی روشنی تک پہنچا دیتی ہے، تنگ و تاریک کوٹھڑی سے نکال کر، وسیع اور فراخ، اور روشن میدان میں لاکھڑا کرتی ہے۔ یعنی فکر و اختراع کا میدان۔!

اجتماعی موثرات! وہ عوامل جو بچّہ کے قویٰ اور مزاج اور میلان پر اثر انداز ہوتے ہیں، کیا ہیں؟ گھر جہاں وہ رہتا ہے، مدرسہ جہاں وہ پڑھتا ہے فیلڈ جہاں وہ کھیلتا ہے، سوسائٹی جہاں وہ اٹھتا بیٹھتا ہے، پس وہ اجتماعی ماحول ہی جس میں انسان رہتا اور بستا ہے انسان کی رہنمائی کرکے اُسے بینا یا اندھا بنا سکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ دیکھنے لگے، اور ہو سکتا ہے کہ اُسے کچھ نظر نہ آئے، یہ ماحول ہی انسان کو مخصوص عقائد کا پرستار، اور مخصوص عقائد سے بیزار بنا دیتا ہے، اور اس طرح اس کے کردار اور مزاج میں کچھ ایسی چیزیں راسخ ہو جاتی ہیں، جو اس کے عادات، معاملات، عمل، نظام، حیات گفتگو، سیرت نفس، ذات، اس چیز پر چھا جاتی ہیں، پھر اس میں اتنی پرکھ پیدا ہوجاتی ہے کہ وہ جان لے، کہ دوسروں کے ساتھ کس طرح معاملہ کیا جاتا ہے؟ اپنے معاملات کیوں کر سلجھائے جاتے ہیں، وہ کام کس طرح کیا جائے جو کامیابی کا ضامن ہو۔؟

اس ماحول میں ہر وہ چیز آجاتی ہے، جس سے انسان کو اور اس کے احساسات و عواطف کو ذرا بھی تعلق ہو، بلکہ در حقیقت یہ انسانی زندگی کا سہارا بن جاتا ہے، آثار قدیمہ کے ایک محقق کے لئے کھنڈرات ہی اس کا ماحول

ہیں، جن میں سے چن چن کر وہ گزرے ہوئے لوگوں کے نقوش ڈھونڈتا ہے، ہیئت داں کے لئے اس کی دوربین اس کا ماحول ہے، جس سے وہ ستاروں کی حرکت اور طلوع و غروب کے مناظر دیکھتا ہے، مچھلی کے لئے پانی اس کا ماحول ہے، جس کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی ایک مہم باز کے لئے قطب شمالی سب کچھ ہے، خواہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو یا ناکام، ماحول اس جگہ اس اصطلاح کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے، جو ان تمام شروط پر حاوی ہے، جو دنیا کی زندگی اور ترقی میں مددگار ثابت ہوتی ہیں جو انسان کو ایک کام کی ترغیب دیتی یا اس سے روکتی ہیں۔ جو انسان میں چند مخصوص خصائل پیدا کرتی ہیں، اور چند مخصوص خصائل سے اُسے محروم کردیتی ہیں،!

اجتماعیت!

پھر جبکہ انسان تنِ تنہا زندگی بسر نہیں کرسکتا بلکہ دوسروں کی رفاقت ناگزیر ہے، تو ضروری ہے کہ وہ اجتماعیت کو فروغ دینے کے وسائل بروئے کار لائے، جو اس اجتماعیت کے اجزا ــــ افراد ــــ کو ایک دوسرے کو اور زیادہ قریب کردیں، مثلاً، مصر کے استاد، انگلستان امریکہ، جرمنی اور جاپان کے اساتذہ کی ہر بات میں پیروی نہیں کریں گے۔ اس لئے کہ ان کا نظریہ اپنا ہے، جدا ہے، الگ ہے، وہ ایسا نقطۂ نظر تلاش کریں گے، جو بحیثیت مجموعی ملّت مصری کے لئے مفید اور سازگار ہو، وہاں اگر تعلیم کی تحریک اٹھتی ہے، تو وہ کسی خاص جماعت کے لئے نہیں، سارے مصر کے لئے، پوری ملّتِ مصری

کے لئے ،، انگلستان بھی اسی دور سے ۱۸۷۸ء تک گزرتا رہا ہے ، لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ دوسروں کی اچھی باتیں بھی نہ لی جائیں ، ضرور لی جائیں ، لیکن وہی جو اپنے ماحول سے مطابقت رکھتی ہوں ، جن کا تجربہ دنیا کی قومیں کرچکی ہیں ، اور کامیاب ہوچکی ہیں ، تجارت سے فائدہ اٹھانا ہر شخص کا حق ہے۔

ماحول اور سوسائٹی کا اثر بڑا دور رس اور دیرپا ہوتا ہے ، انسان کے لئے ذرا بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ اس اثر کے مظاہر ، قدم قدم پر انسان کی خارجی زندگی ، اور اجتماعی عادات میں دیکھ سے ، حیوان تک ، مثلاً ، کتا ، گھوڑا بندر ، ماحول اور سوسائٹی سے متاثر ہوتے ہیں ، پھر انسان کہاں تک نہ ہوگا ؟ وہ تو خاص طور پر اپنے ماحول اور سوسائٹی سے متاثر ہوتا ہے ۔ ہمارے اس قول کا اگر ثبوت چاہیے ، تو کسی قوم پر نظر ڈالیے ، جو آزاد ہو ، اس کی فضا آزادیٔ تنقید ، اور آزادیٔ خیال سے لبریز ہوگی ، اس کے برعکس جو قوم غلام ہو، اس پر ایک نظر ڈالئے ، وہاں آزادی کچلی جاتی ہے ، نکتہ چینی کا احترام نہیں کیا جاتا ، اخبارات بند کردئے جاتے ہیں ، کتابیں ضبط کرلی جاتی ہیں ، زبان بند کردی جاتی ہے ، منہ پر تالے لگا دیے جاتے ہیں ، جلسہ ممنوع قرار دیئے جاتے ہیں ، تقریر کی اجازت نہیں دی جاتی ، کیا یہ بہت بڑا اور عظیم فرق نہیں ہے ،؟ آزاد قوم کو ہم سر بلند دیکھتے ہیں ، کیونکہ وہ آزادی اور اس کی قدر و قیمت سے واقف ہے ، وہ جس خیال

پر چاہے قائم رہے، جو چاہے کرے، وہ ہمیشہ آئین انسانیت کے حدود میں رہتی ہے، اس کے برعکس غلام قوم ذلیل و رسوا نظر آئے گی، اس لئے کہ وہ غلام ہے! وہ وہی کہے گی جو بتایا جائے گا، وہ اپنی نہیں اپنے آقا کی زبان سے بولتی ہے، اس کے سینے میں دل ہے، لیکن یہ دل اس کا نہیں کسی اور کا ہے، وہ ایسی باتیں کہتی ہے جن پر خود اس کا اعتقاد نہیں، وہ ایسی چیزوں پر اعتقاد رکھتی ہے، جس کا وہ اعتراف نہیں کرسکتی، وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتی ہے، وہ اپنے ضمیر کے خلاف چلتی ہے، وہ دوسروں کو فریب دیتی ہے، جب وہ کچھ لکھتی یا کہتی ہے، تو تعزیر و سزا کے ڈر سے تول تول کے بات منہ سے نکالتی ہے، اور پھونک پھونک کر قلم چلاتی ہے، کیا یہ ماحول کا فرق نہیں ہے؟ یہ ماحول ہی کی قوت ہے، جو انسان کے تخیل کو ختم کردیتی ہے، قادر کو عاجز بنادیتی ہے، خطیب کو گونگا کردیتی ہے، انشا پرداز کا قلم چھین لیتی ہے، بینا کو اندھا بنادیتی ہے، سننے والے کو بہرا کردیتی ہے، اور اس کا تربیت پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔

ماحول اور سوسائٹی

جس ماحول اور سوسائٹی میں انسان پلتا اور بڑھتا ہے، اس کا دل سیرت اور کردار پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے، اس کے اخلاق عادات، خیال، میلان، ہر چیز پر وہ چھا جاتا ہے، اگر وہ اچھا ہے، تو اس کا اثر بھی اچھا پڑے گا، اور اگر برا ہے تو اس کا اثر بھی بُرا ہی ہوگا، وہاں ذہانت نابود

ہو جائے گی، فراست ناپید ہو جائے گی، اپنی چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی اہلیت بھی باقی نہ رہ جائے گی، ایک مرتبہ مشہور مصری مورخ اسماعیل رافت بک نے کہا تھا "مصر میں خزانے بھرے پڑے ہیں، لیکن انھیں صرف غیر ہی ہاتھ لگا سکتے اور ان سے اپنی جھولی بھر سکتے ہیں!" غرض ماحول کا بڑا اثر پڑتا ہے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تربیت اور تجربہ!

تربیت اور تجربہ سے بچہ بہت متاثر ہوتا ہے، وہ آگ دیکھکر ڈر جاتا ہے۔ انگارہ کے پاس نہیں پھٹکتا، اس کی جو عادت بن جاتی ہے، وہ اس میں راسخ ہو جاتی ہے۔ پھر نہیں چھوٹتی، خواہ وہ اچھی ہو یا بری ہو، کھیل کے میدان میں جو لڑکے پہنچتے ہیں، وہ احساس ذمہ داری اور اجتماعی فرائض کو ادا کرنے کے جذبہ سے بھرپور ہوتے ہیں، مثلاً ہاکی کی ٹیم میں کھیلنے والا ایک لڑکا، کتنی کچھ کوشش نہیں کرتا، لیکن کیا اس کی یہ کوشش اس کی ذات کے لئے ہوتی ہے؟ نہیں جماعت کے لئے، ٹیم کے لئے! وہ اس جماعت کا اپنے تئیں ایک رکن سمجھتا ہے، اگر جماعت کی تعریف ہوئی تو گویا اسکی ہوتی، اور اگر جماعت ناکام رہی تو گویا وہ ہار گیا، خواہ کتنا ہی اچھا کھیلا ہو، جماعت کی کامیابی پر وہ خوش ہوتا ہے، ناکامی پر کڑھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس کی کامیابی کے لئے پورا زور لگاتا ہے اور شکست کے

خوف سے بڑھ بڑھ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتا ہے
پورے اخلاق و صداقت کے ساتھ وہ جماعت کی
کامیابی کے لئے از سر نو کوشش کرتا ہے، یہی وجہ ہے
کہ اجتماعیت سے بچے کی سیرت اور کردار پر بڑا اثر پڑتا
ہے، اور یہ آگے چل کر بہت مفید ہوتی ہے، اور زندگی
کے سنوارنے میں بہت مدد دیتی ہے:

تربیت کی غرض و غایت

صورت مسئلہ پر ایک محققانہ نظر!

تربیت کی بہت سے مفکرین و ماہرین نے مختلف تعریفات اور تعبیرات کی ہیں، اور یہ تعریفیں شخصی اور ذاتی رجحانات کا آئینہ ہیں، ایک بڑے فلسفی کا قول ہے کہ "تربیت کا مقصد عقل کی جلا ہے!" ایک دوسرے فلسفی کا خیال ہے "تربیت سے مراد شخصی زندگی کا نکھار ہے"۔ بعض دوسرے ماہرینِ فن کا خیال ہے۔ کہ تربیت صحیحہ وہ ہے، جس سے اخلاق درست ہو، دینی اور مذہبی شعور پیدا ہو، عقیدہ مستحکم ہو، بعض دوسرے لوگوں کا خیال ہے، کہ تربیت کا اصل مقصد درجۂ کمال تک پہنچنا ہے، یہاں تک کہ وہ سوسائٹی کے لئے بہترین اور کار آمد فرد بن جائے۔

اغراض و مقاصد

یہ اور اس طرح کی دوسری تعریفیں تربیت کے اغراض و مقاصد کو صحیح طور پر واضح نہیں کرتیں، اگر بنگاہ غور د تحقق سے ان تعریفوں کو پرکھا جائے تو ماننا پڑے گا کہ یہ تعریفیں

اپنے اپنے محل اور موقع پر صحیح ہیں، عمومی اور مجموعی حیثیت سے نہیں، تربیت کے اغراض و مقاصد، زمانہ، ماحول اور قوموں و ملتوں کی ضروریات و حالات کے ماتحت بدلتے رہتے ہیں۔ بدلتے رہیں گے، ہر قوم کے ہاں، اس کی ضروریات و حالات کے ماتحت، بدل جاتے ہیں۔ مثال میں ہم اثینا اور اسپارٹو کو پیش کر سکتے ہیں، یہ دونوں یونانی ہیں، اثینا کو حکمت و فلسفہ سے ذوق تھا، ادب اور لٹریچر سے شغف تھا، اس کے برعکس اسپارٹو کو دنگل اور کشتی کا شوق تھا، ورزش اور جسمانی تربیت سے لگاؤ تھا، ظاہر ہے ان مختلف قسم کے رجحانوں سے تربیت کے اغراض و مقاصد بھی بدل گئے، اور وہ ہو گئے جو، حالات و ضروریات سے مطابقت رکھتے تھے،

تربیت دینے والے کے لئے، یہ مناسب نہیں ہے کہ وہ ایک ہی نقطۂ نظر سے چمٹ جائے۔ اور دوسرے نظریات و خیالات کو بالکل مہمل قرار دے کر نظرانداز کردے۔ بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ انسانیت کی فلاح اور برتری سے متعلق تمام پہلوؤں پر یکساں سنجیدگی سے غور کرے، تاکہ انسان کی فکر رسا ہو جائے۔ اس کے قویٰ مضبوط ہو جائیں، اور اسے زندگی بسر کرنے کا صحیح گُر معلوم ہو جائے، وہ ارادہ کا مضبوط ہو، اخلاق کا نمونہ ہو، جسم کا توانا ہو، علم کا شائق ہو، اس کا وجدان تربیت یافتہ ہو، اس کا ذوق پختہ ہو، وہ وطن دوست ہو، وہ زندگی دوسروں کے سہارے

بسر کرنے کا خوگر نہ ہو، بلکہ اپنے آپ پر بھروسہ کرکے زندگی بسر کرنے کی اہلیت اور ہمت رکھتا ہو، وہ دوسرں کے لئے بھی اسی طرح زندہ رہنا چاہتا ہو، جس طرح خود اپنے لئے، اس مفہوم کو اگر دوسرے الفاظ میں بیان کیا جائے تو یوں کہہ سکتے ہیں کہ تربیت دینے والے کو سب سے مقدم تربیت کرنی چاہیئے، دماغ کی، دل، کی اور ہاتھ کی، انگریزی میں اسی کو "تھری ایچ" کہتے ہیں:

---

(۱)۔ وہ تین ایچ یہ ہیں:-

(Hand-Heart-Head) (John Ruskin)

تربیت کی

مختلف اقسام و انواع

تربیت کی بہت سی قسمیں ہیں، جسم کی تربیت، عقل کی تربیت اجتماعی اور جمالی تربیت، ان میں سے ہر ایک بجائے خود اہم ہے، ان میں سے ہر ایک کے حصول کی کوشش ہونی چاہیئے،

تربیت اور حیات کاملہ کی تیاری!

مشہور انگریزی فلسفی ہربرٹ اسپنسر کا قول ہے، کہ تعلیم و تربیت کا مقصد یہ ہے کہ انسان انسان کامل کی زندگی لبسر کر سکے، اس طرح کہ اس کا جسم قوی ہو، اس کا اخلاق کامل ہو۔ اس کی فکر مرتب ہو۔ یہ جانتا ہو کہ دوسروں سے تعاون کس طرح کیا جائے؟ جمال اور حُسن کی پرکھ رکھتا ہو، ان کیفیات سے بہرہ ور ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو، اور ادائیگی فرض کا احساس رکھتا ہو، قوم اور وطن کے ساتھ اُسے کیسا ہونا چاہیئے؟ یہ جانتا اور سمجھتا ہو، اللہ نے ذہن و دماغ کی جو صلاحیتیں اسے عطا کی ہیں ان سے کیونکر فائدہ اٹھائے؟ اپنے

اعضا و جوارح سے کس طرح کام لے؟ مختصر الفاظ میں یہ کہ حیات کاملہ کس طرح بسر کرے؟ گویا حیاتِ کاملہ بسر کرنے کی استعداد پیدا کرنا ہی تربیت کا مقصد اعلیٰ ہے،

ہربرٹ اسپنسر نے، انسانیت کاملہ، کے معیار و اقتدار سے متعلق کچھ اصول بھی وضع کئے ہیں، جو حسب حیثیت وحسب درجہ یہ ہیں۔

(۱) وہ امور جو حفظِ نفس کی خدمت بجا لائیں۔

(۲) وہ امور جو حفظ نفس کے لئے عرفاً کارآمد ہوں یعنی بالواسطہ،

(۳) وہ امور جو تہذیب و نشو و نما کو کامل بناتے ہوں۔

(۴) وہ امور جو تعلقات و روابط کے استحکام و قیام میں معین و مددگار ہوں، اور جو سیاسی و اجتماعی صلاحیات پیدا کرتے ہوں۔

(۵) وہ امور جو انسان کے ذوق، عواطف اور حواس کو قوی تر کرتے ہوں۔

تربیت کا مقصد اگر ہم ہربرٹ اسپنسر کی رائے مان لیں، اور تربیت کا مقصد قرار دے لیں، انسانیت کاملہ کی تیاری و استعداد، ! تو مدرس اور معلم پر واجب ہو جاتا ہے کہ وہ سب سے پہلے خود اپنے آپ کا جائزہ لے، اور دیکھے کہ وہ ان شروط کو کہاں تک حق بجانب سمجھتا اور انھیں بجا لاسکتا ہے؟ ضروری ہے کہ تدریس کے وقت، وہ

ان تمام باتوں کو پوری سنجیدگی کے ساتھ پیش نظر رکھے اور ان کی کوشش فکر و نظر سے اوجھل نہ ہونے دے۔ تعلیم و تدریس کے وقت ان سے پورا پورا کام لے، حیات کاملہ کی اصل کیا ہے؟ اس مقصد کے حصول کے سلسلہ میں ہمیں کیا کیا کرنا چاہئیے؟ کس نہج سے؟ کس طرح؟ کیونکر؟ اب ہم اس سلسلہ میں مختلف پہلوؤں کے پیش نظر، الگ الگ عنوانات پر، ذرا تفصیل سے گفتگو کریں گے!

تربیتِ جسمانی

ایک فلسفی کا قول ہے زندگی میں کامیابی کی پہلی شرط یہ ہے کہ حیوان قوی الجسم ہو۔ یونانی زبان کا مقولہ ہے "عقل سلیم، جسم سلیم ہی میں نشیمن بناتی ہے!" مشہور انگریزی مدبر اور فلسفی جان لوک[1] کا خیال ہے کہ یونانی مقولہ کی یہ تعریف مختصر ہے، مکمل تعریف یہ ہے کہ زندگی مکمل اور کامل بنانے کے لئے، جسم و عقل دونوں کی سلامتی ضروری ہے، دونو میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو پورا انسان نہیں۔ وہ کسی طرح بھی مفید نہیں ثابت ہو سکتا، لیکن ہمارے معلم اور مدرسے چلانے والے اصحاب کہاں تک ان حقائق کا خیال کرتے ہیں؟ آپ کو ایسے ہی مدرسے ملیں گے، جو ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی تک محدود ہیں، جس میں نہ روشندان ہیں نہ روشنی، نہ دھوپ، نہ ہوا، ظاہر ہے ایسے ماحول میں نہ تعلیم ہو سکتی ہے نہ تربیت

---

[1] (۱۶۳۲ — ۱۷۰۳ء) مشہور انگریز فلسفی۔ اس کی ایک کتاب "عقل انسانی" کا ترجمہ، فرانسیسی اور جرمن میں ہو چکا ہے۔

چنانچہ تربیت ذہنی مقصود ہے، اور تربیت جسمانی کا وجود اور عدم برابر ہے،

تربیت اور یورپ

یورپ اور امریکہ نے بیسویں صدی عیسوی کے شروع ہی میں تربیت جسمانی کی نوعیت اور ضرورت محسوس کر لی تھی، چنانچہ محکمہ ہائے تعلیمات نے سب سے پہلے اسی کوتاہی کے دور کرنے پر زور دیا، انھوں نے اس حقیقت کو سمجھ لیا تھا کہ اگر جسمانی تربیت نامکمل رہی، تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا،

مدرس اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہوسکتا، اگر وہ اپنے شاگرد میں جسمی نشو و نما کے آثار نہ دیکھے اسی بچّہ کی تربیت صحیح اور درست ہوسکتی ہے، جو بدنی اعتبار سے توانا اور مضبوط ہو، اگر صحت ناقص ہے تو وہ کچھ بھی نہیں کرسکتا، صحت کے درست کرنے کے لئے صاف ہوا، سورج کی روشنی، مفید اور ہلکی غذا، اچھا اخلاق، اچھی عادت، معتدل ورزش، مختصر، اور ذہن میں اتر جانے والے اسباق ہی اچھی تربیت کے ضامن ہیں، اسی طرح جسم بھی سنبھل سکتا ہے، اور عقل بھی،

مدرسہ صرف پڑھائی کا گھر نہیں ہے، بلکہ وہ شفاخانہ ہے، جہاں تلمیذ کی اخلاقی اور عقلی بیماریوں کا علاج کیا جاتا ہے، جہاں اس کی عقل اور ذہن کی کمزوریاں دور کی جاتی ہیں، جہاں اس کے جسم اور بدن کی صلاحیتیں

ابھاری جاتی ہیں، جہاں اسے ہر جہت سے صالح، مکمل اور نیک بنایا جاتا ہے، مدرسہ بہترین ذریعہ سے تربیت صحیحہ سکا، تاکہ مستقبل میں طالب علم کا جسم توانا ہو۔ نشوو نما کے پورے مراحل طے کرے، کام میں ماہر ہو، افعال و حرکات میں متوازن ہو، عیوب سے خالی ہو، اور جسمانی صحت پورے طور پر حاصل ہو،

مدرس کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلباء کی نشست برخاست پر بھی نظر رکھے، لکھنے کے دوران میں مونڈھے جھکنے نہیں چاہئیں، پڑھتے وقت گردن خم نہیں ہونی چاہیئے، اس سے بآسانی معلوم ہو جائے گا، کون مریض ہے کون تندرست؟ مریض کو تندرست سے الگ بٹھایئے۔ یہ بہت چھوٹی، چھوٹی باتیں ہیں، لیکن ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے،

جسم اور عقل علم النفس میں یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی ہے کہ جسم اور عقل کے درمیان بہت بڑا رابطہ ہے، جسم پر جو چیز اثر انداز ہوتی ہے وہ عقل پر بھی اثر انداز ہوتی ہے، اسی لئے یہ بات مان لی گئی ہے کہ عقلی تربیت بغیر جسمانی تربیت کے اور جسمانی تربیت بغیر عقلی تربیت کے ناممکن ہے، چنانچہ اسپارٹا کے لوگ عہد قدیم میں بدن اور جسم کی تربیت پر خاص زور دیتے تھے، یونان کے ایک مشہور حکیم کا قول ہے "زندگی کی مثال ایک دشمن کی ہے، اس پر صرف اسی طرح غلبہ پایا جاسکتا ہے کہ انسان کا بدن

مضبوط اور توانا ہو!" بڑے سے بڑا ذہین آدمی بھی، اپنی ذہانت سے پورا فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اگر وہ بیمار یا کمزور ہے، ذہانت بھی صرف اسی وقت کام دیتی ہے، جب انسان توانا، اور تندرست ہو،

ان حقائق کے پیش نظر یہ ضروری ہے کہ علم کے حصول کے ساتھ اور عقل کی درستگی کے ساتھ ہم جسم کو بھی آلائش سے پاک رکھیں اور جتنا ممکن ہو اسے مضبوط بنالیں، ورزش کریں، آرام لیں، کام کریں اور چھٹی منائیں،

امام غزالیؒ[1] نے اپنی کتاب احیاء العلوم میں لکھا ہے،

"بچہ جب مکتب سے آئے، تو ضروری ہے کہ اُسے کھیلنے کودنے کا موقعہ دیا جائے، اس طرح تعلیم کی تھکاوٹ سے وہ آرام پاجائے گا، بچہ کھیل سے نہیں تھکتا، اور اگر اُسے منع کیا جائے تو اس کا دل مر جاتا ہے، ذکاوت ماند ہو جاتی ہے، زندگی اجیرن ہو جاتی ہے یہاں تک کہ وہ خلاصی اور فرار کی صورتیں سوچنے لگتا ہے!"

---

[1] ـ امام غزالی، قدوۃ المربین و حجۃ المسلمین، ولادت ۴۵۰ھ وفات ۵۰۵ھ ان کی کتاب "احیاء علوم الدین" تربیت و تعلیم کے فنون کا بہترین مرقع ہے!

جس طرح طلبہ کے لئے یہ ضروری ہے کہ گھر پر اور مدرسہ میں انھیں، فرصت اور فرحت کا موقع دیا جائے، اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ انھیں وہ کھیل کھیلنے کی ترغیب دی جائے، جن سے ایک طرف تو ان کے اعضاء مضبوط ہوں، دوسری جانب وہ کھیل ان میں ضبط و نظم پیدا کریں مثلاً فٹ بال ہاکی، ٹینس، دوڑ، تیراکی، کشتی وغیرہ، تاکہ طلبہ کے بدن میں چستی پیدا ہو، اور ان کی صحیح نشوونما حاصل کرسکیں۔

اگر ان ورزشوں اور کھیلوں کی طرف طلبہ کو پورے طور پر متوجہ کیا جائے تو اس سے انھیں بڑے فوائد حاصل ہوں گے، اُن کے پٹھے مضبوط ہوں گے، ان کا بدن توانا ہوگا، وہ نشوونما کے حد کمال کو پہنچ جائیں گے، ان کے اعصاب مستحکم ہو جائیں گے، ان کے قویٰ میں اعتدال پیدا ہو جائے گا، انکا سینہ چوڑا ہو جائے گا، ان میں نشاطِ کار کا جذبہ پیدا ہو جائے گا، اور اس طرح ان کی عقل، رُوح اور جسم، تینوں کو یکساں توانائی حاصل ہوگی!!

تربیت عقلی

تربیت عقل کا مقصد کیا ہے؟ ——— معرفت کا حصول، عقل کی تکمیل، اور ہر کام کے آغاز و انجام میں اعتدال و توازن، اور یہ اغراض سہ گانہ ایک دوسرے سے بالکل مربوط ہیں، انھیں جدا نہیں کیا جا سکتا، حصول معرفت کا یہ مقصد نہیں ہے کہ امتحان سے پہلے ہر چیز رٹ لی جائے، اور امتحان کے بعد فراموش کردی جائے علم کی غرض ہے، اسے پورے طور پر سمجھنا، اس کی حقیقت اور ماہیت کو جاننا اور اس پر عمل کرنا، یہ خیال غلط ہے کہ علم صرف کتابوں ہی سے حاصل ہو سکتا ہے، اور یادداشت بھی، علم حاصل کرنے کا واحد وسیلہ ہے، بہت سے "علوم" ایسے ہیں جو صرف تجربہ اور اطلاع سے حاصل ہوتے ہیں ان میں یادداشت اور کتابوں کی ضرورت نہیں پڑتی، علم کو محفوظ کرنے کا طریقہ زبانی یاد کرلینا نہیں ہے، بلکہ اس کی کنہ تک پہونچنا اور سمجھنا ہے، اسی طرح حقائق ہیں، انھیں سینہ کی کوٹھری میں بند کرلینا مفید نہیں ہے، بلکہ ان سے فائدہ اٹھانا مطلوب ہے۔

فہم اور حافظہ | بڑے افسوس کی بات ہے کہ ہم اپنے مدارس

ہیں سب سے زیادہ جس چیز پر لوگوں کو متوجہ پاتے ہیں وہ رٹنا اور زبانی یاد کرلینا ہے۔ امتحانات اسی طرح پاس کئے جاتے ہیں، ممتحن بھی اسی مغالطہ میں مبتلا ہیں، وہ تلمیذ سے ایسے سوالات کرتے ہیں جن کا مدار فہم پر نہیں ہوتا حافظے پر ہوتا ہے، لہذا طلبہ بھی فہم پر زور نہیں دیتے حافظہ کو اصل سمجھتے ہیں۔

بہت سے کودن ایسے نظر آئیں گے، جنھیں بہت سی چیزیں زبانی یاد ہیں، لیکن سمجھتے خاک نہیں، بہت سے ایسے ذہین و ذکی طلبہ نظر آئیں گے۔ جن کا حافظ تو کمزور لیکن حقیقت کی تہ تک پہونچنے میں وہ سب سے تیز ہیں یہ کتنی بڑی، اور افسوسناک غلطی ہے کہ حافظے کو تو اتنی زیادہ اہمیت دی جائے، اور عقل و ادراک کی صلاحیت کو یکسر نظر انداز کر دیا جائے، حالانکہ اصل چیز تو ادراک، اور تربیت عقل ہے، نہ کہ رٹنے اور زبانی یاد کرلینے کی قابلیت

کیا علم قوت ہے؟

ہر علم بجائے خود قوت نہیں ہے علم صرف ان حقائق کا نام نہیں ہے، جو انسان نے ایک خاص ترتیب سے وضع کر لیتے، اور وضع کرلیتے ہیں، اس طرح حقائق ہیں کہ ذہن کا فہم و ادراک بغیر علم کے ممکن نہیں ہے، صرف حقائق چنداں مفید نہیں ہوتے، ان کے ساتھ علم کی آمیزش ضروری ہے، البتہ جس علم کو ہم حقائق کا حامل بنا دیں، وہ بجائے خود ایک قوت ہے، لیکن ضروری ہے

کہ یہ حقائق ، ایک خاص منطقی ترتیب رکھتے ہوں ، ایسا علم جو حقائق سے لبریز ہو ، جس سے ہم خدمت لے سکیں جس سے ہم خدمت کما سکیں ، وہی اصل علم ہے ، اس سے ہم اپنی زندگی بھی سنوار سکتے ہیں ، اور دوسروں کی بھی ، ایسا علم ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا ، اگر فکر و عقل کو بھی ساتھ نہ رکھا جائے ، مدرس طلبار کو فہیم اور عقیل نہیں بنا سکتا ، لیکن فہم و ادراک کا انھیں شائق بنا سکتا ہے۔ یہی اس کا کام ہے ، اس اشتیاق کا نتیجہ یہ ہوگا ، کہ وہ علم تک فہم و فکر کے ساتھ پہنچیں گے ،

معلّم کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ تعلیم دیتے وقت اس خیال کو ہمہ وقت پیش نظر رکھے کہ وہ صرف شاگرد کی قوتِ حافظہ کو چمکانے کی جدو جہد نہ کرے بلکہ اس میں ایسی فہم اور ایسا ادراک پیدا کردے کہ طالب علم خود مقدمات سے نتائج نکال لے ، خود تاریکی میں روشنی کی کرن ڈھونڈ لے ، خود متعدد ، اور مختلف مسائل میں اپنی سوجھ بوجھ سے کام لے کر ، صحیح کو غلط سے پرکھ سکے۔ یہی تربیت عقلی ہے ، اور اگر اس حد تک ہم پہنچ گئے ، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے مقصد حاصل کرلیا ، اب شاگرد نرا گاؤدی اور کودن نہیں رہے گا ، بلکہ صحیح معنوں میں طالب علم بن جائے گا ، جو اپنی عقل سے بھی ، ذہن کے ساتھ ساتھ پورا اور فائدہ بخش کام لے سکے گا۔

قرونِ وسطیٰ کی تربیت | قرونِ وسطیٰ میں تربیت و تعلیم کے ماہرین سب سے زیادہ

تربیت عقلی پر زور دیتے تھے، وہ اپنے مدارس میں بیک وقت دو زبانوں کی تعلیم دیتے تھے، ایک تو یونانی دوسری لاطینی، ان دونوں زبانوں کی تعلیم، مدارس ثانوی سے شروع ہوتی تھی، اور گرامر کی تعلیم مدارس ابتدائی سے شروع ہوجاتی تھی، ان کا خیال تھا کہ اس طرح لڑکے کی عقل میں جلاد اور تیزی پیدا ہوتی ہے، اور تربیت عقلی میں مدد ملتی ہے اس کے قوائے عقلی تنو مند ہو جاتے ہیں، اور وہ علم کو عمل کے پیمانہ سے ناپنے کی صلاحیت پیدا کرلیتا ہے، لیکن اُن لوگوں نے صرف اسی اصول پر ضرورت سے زیادہ زور دیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس سلسلہ کی بعض دوسری بہت ضروری چیزیں اُن سے نظر انداز ہو گئیں، ایک ماہر تربیت و تعلیم کا قول ہے :-

"حافظہ اچھی چیز ہے، تاریخ اور لغت کے سلسلہ میں تو یہ بہت زیادہ معین و مددگار ہوتا ہے۔ لیکن ذوق بھی بڑی اچھی چیز ہے زبان و لٹریچر کا وجدان صحیح اس سے پیدا ہوتا ہے، خیال بھی اچھی چیز ہے، اس سے ذوق شعری کی تکمیل میں خاصی مدد ملتی ہے لیکن ان سب کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ انشا اور القا (تحریر و تقریر) پر بھی پورا زور دیا جائے اور اس میں اس وقت تک درجۂ کمال نہیں حاصل کیا جاسکتا، جب تک علوم ریاضی — حساب، ہندسہ، الجبرا، — وغیرہ میں بھی درک

نہ ہوا!!

لیکن میرا خیال ہے کہ تربیت عقلی کی تکمیل کے لئے صرف مذکورہ چیزیں ہی کافی نہیں ہیں، ضروری ہے کہ مشق و تمرین کا بھی پورا خیال رکھا جائے تاکہ علم عمل سے ہم آہنگ ہو، اور عمل عقل کی رہنمائی کا نتیجہ ہو!

عقل اور چھری

بعض خوش فہم لوگوں کا تربیت عقلی کے بارے میں یہ خیال ہے کہ تربیت عقلی کی مثال دھار دار چھری کی سی ہے، اگر چھری کی دھار خوب تیز ہو، تو اس سے ہر وہ چیز کاٹی جاسکتی ہے، جس کا کٹنا چھری سے ممکن ہے، لیکن یہ خیال غلط ہے، عقل اگر تربیت یافتہ ہو، تو وہ ہر چیز کو نہیں کاٹ سکتی، اسی کو کاٹے گی، جسے کٹنا چاہیئے۔!

بعض اصحاب کا خیال ہے، اگر، حساب، ہندسہ جبر و مقابلہ، گرامر اور لغات کا علم صحیح طور پر حاصل ہو جائے تو فکر صحیح اور عقل سلیم کا جوہر پیدا ہو جاتا ہے، اور آدمی صحیح نتائج مرتب کرسکتا ہے، لیکن یہ لوگ اسے بھول جاتے ہیں کہ عقل اور چھری میں بہت فرق ہے، ہمیں اس مغالطہ سے آزاد ہو جانا چاہیئے، چھری سے بار بار غلطی ہوسکتی ہے، اور عقل سے کبھی نہیں، زندگی کے صحیح اصول اسی کی روشنی میں مرتب اور بروئے کار لائے جاسکتے ہیں۔!

تربیت خلقی!

تربیت خلقی سے مراد کیا ہے؟ ——— تربیت خلق کے معنی ہیں، حسن سلوک، ارادہ کی استقامت، اور صحت، برائی سے اچھائی کا انتخاب، کوڑے کرکٹ سے بھلی چیزوں پر نگاہ، برائی سے بچنا اور اچھائی کا اختیار کرنا۔

تربیت خلقی کا اصل مقصد یہ ہے کہ آدمی کا اخلاق بلند ہو جائے، اس کا عزم مضبوط ہو جائے، اس کے قول و فعل میں ربط اور ہم آہنگی پیدا ہو جائے؛ تربیت خلقی در اصل زندگی، تہذیب، گھر اور مدرسہ کی روح ہے۔

ماہرین تربیت کا خیال!

ہم اگر یہ کہیں تو ذرا بھی مبالغہ نہیں کریں گے کہ اس زندگی میں سب سے زیادہ ضروری اور ناگزیر چیز تربیت خلقی ہی ہے، تربیت کے ماہرین کا خیال ہے کہ جس طرح ہم جسم اور عقل کی تربیت پر زور دیتے ہیں، اسی طرح ہمیں اخلاق کی تربیت کو بھی اہم سمجھنا چاہیئے، اور اس پر بھی زور دینا چاہیئے۔ اگر اسے ہم نظر انداز کردیں گے، تو علم، عقل، اور روح کی تربیت بھی بیکار جائے گی، بلکہ ناممکن رہے گی، ایک شاعر کا قول ہے کوئی قوم اگر اخلاق سے محروم

ہوگئی تو مرگئی ؛

دوسرے اجزا! شاگرد کے لئے صرف مدرسہ ہی تربیت اخلاق کا ذریعہ نہیں ہے ، صرف مدرسہ اخلاق کی مکمل تربیت نہیں کرسکتا ، کچھ دوسرے اجزا بھی ہیں جو مدرسہ سے زیادہ اس کام کو کرسکتے ہیں ، اور کرتے ہیں وہ دوسرے اجزا ، جو بچہ کی اخلاقی تربیت کو سنوارتے یا بگاڑتے ہیں ، کیا ہیں ؟ گھر اور سماج ، مدرسہ دوسری تربیتوں میں تو اپنے فرائض کما حقہ ادا کرسکتا ہے ، لیکن اخلاقی تربیت میں مدرسہ سے کہیں زیادہ ، گھر ، اور سوسائٹی کا اثر ہوتا ہے۔ گھر اور سوسائٹی کے اشتراک ہی سے مدرسہ اس باب میں کچھ کرسکتا ہے ، گھر پر جو اخلاقی تربیت ہو ، سوسائٹی میں پہنچ کر وہ رائگاں نہ جائے ، اور سوسائٹی میں اخلاق جس سانچے میں ڈھلیں ، گھر پر پہونچنے کے بعد ، وہ اکارت نہ جائیں ، سوسائٹی اور گھر میں ، جو اخلاق بنے ، وہ مدرسہ میں پہنچنے کے بعد غارت نہ ہو ، یہ تینوں اجزا ، جب تک کامل اشتراک و تعاون سے کام نہ کریں ، اخلاق کی تربیت مکمل نہیں ہوسکتی ، مدرسہ قلب ، ہاتھ ، اور دماغ کی تربیت تو پورے طور پر کرسکتا ہے ، لیکن اخلاق کی تربیت بڑی حد تک صرف سوسائٹی ، اور گھر ہی پر منحصر ہے ، گھر اور سوسائٹی کے اس اثر کو ہم نظر انداز کردیں ، تو ایک بہت بڑی حقیقت کو نظر انداز کردیں گے ؛ گھر اور سوسائٹی کی تاثیر کبھی مفید ہوتی ہے کبھی مضر ، کبھی نفع بخش ہوتی ہے ، کبھی نقصان دہ ، یہ مدرس کے بس کا روگ نہیں کہ جو کام

سوسائٹی، اور گھر والوں سے نہ ہو سکے، اسے کر دکھائے، وہ صرف اس راستہ میں مددگار بن سکتا ہے، اس سے زیادہ کچھ نہیں، وہ تلمیذ کی عقل تیز کر سکتا ہے، اس میں علم کا شوق پیدا کر سکتا ہے، معرفت نفس کے طریقے بتا سکتا ہے دنیا کیا ہے اور دنیا میں کیا کیا ہے؟ یہ بتا سکتا ہے، وہ فطرت کی نعمتوں کی طرف اشارہ کر سکتا ہے، بلکہ وہاں تک پہنچا بھی سکتا ہے، وہ بچہ کی اخلاقی تربیت کا راستہ بھی مقرر کر سکتا ہے، وہ اس میں سچائی پیدا کر سکتا ہے، امانت کی روح پیدا کر سکتا ہے، انصاف اور عدالت سے اُسے روشناس کر سکتا ہے، شجاعت اور اخلاص کی امنگ پیدا کر سکتا ہے، بڑائی کی محبت، قیادت کی عظمت، ابتکار واختراع کا شوق پیدا کر سکتا ہے، سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن، اخلاق کی تربیت وہ اکیلا نہیں کر سکتا، اس میں گھر اور سماج کو بھی حصہ دار بننا چاہیئے، بننا پڑے گا،

تربیت خلقی کا مقصد!

تربیت خلقی کا صحیح مقصد یہ ہے کہ انسان کو مہذب بنا دیا جائے، اس میں سرداری کی اہلیت پیدا کر دی جائے، اس کے ارادہ میں استقامت پیدا کرائی جائے، اس میں عزم صادق پیدا کر دیا جائے، اچھائی کی طرف مائل کر دیا جائے۔ اور برائی سے متنفر کر دیا جائے، اگر اس مقصد کو ہم حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ضروری ہے کہ بچہ جس گھر میں رہتا ہے وہ مہذب ہو، جس مدرسہ میں پڑھتا ہے، وہ مہذب ہو، اور جس سوسائٹی میں اٹھتا بیٹھتا ہے وہ مہذب ہو!

تربیتِ اجتماعی

تربیت اجتماعی بھی ایک قوم کے لئے اتنی ہی ضروری ہے، جتنی، عقل، اور جسم کی تربیت، اجتماعی تربیت کے مراکز صرف تین ہیں

(۱) گھر۔

(۲) مدرسہ۔

(۳) سوسائٹی۔

بچپن ہی سے یہ جذبہ معلّم کو متعلّم کے دل میں پیدا کرنا چاہیئے کہ جو کچھ اپنے لئے پسند کرے، وہ اپنے بھائی کے لئے بھی پسند کرے، گھر میں، مدرسہ میں، سوسائٹی میں دوستوں، رفیقوں" اور عزیزوں سے ساتھ تعاون اور اشتراک عمل کرے، جو کچھ سوچے صرف اپنے لئے نہیں، دوسروں کے لئے بھی، اور دوسروں کے لئے اسی طرح سوچے، جس طرح اپنے لئے سوچتا ہے، اگر بچپن ہی سے کھانے میں، کھیلنے میں، تفریح میں، دوسروں کے ساتھ اشتراک کی عادت پڑ جائے گی، تو جوانی کی عمر تک پہونچتے پہونچتے یہ طبیعت ثانیہ کی صورت اختیار کرے گی، پھر وہ زندگی کی تمنا صرف اپنے ہی لئے نہیں کرے گا، دوسروں کے لئے

بھی زندہ رہنے کا حق چاہے گا،

خود غرضی!

چونکہ عام طور پر، تربیت اجتماعی کو اہمیت نہیں دی جاتی، اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ آدمی میں خود غرضی پیدا ہو جاتی ہے، وہ صرف اپنے لئے جینا چاہتا ہے، دوسروں کے بارے میں کچھ نہیں سوچتا، لڑکا، اگر گھر میں ہے تو چاہے گا، ماں باپ کی شفقتیں صرف اس کے لئے وقف رہیں، دوسرا اس کا ساجھی نہ بنے، اگر مدرسہ میں ہے تو اس کی خواہش ہوگی، استاد کی عنایتیں اور مہربانی اس پر برسیں، وہی سب سے آگے رہے، اس کی سب سے زیادہ پوچھ ہو، اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کمینہ، مستحق ساتھیوں کو پیچھے ہٹانا چاہتا ہے، ٹریم یا بس کے انتظار میں پہلے سے جو لوگ کھڑے ہیں ان کی پرواہ کئے بغیر خود سب سے پہلے چڑھ جانا چاہتا ہے، ریل سے لوگ اترنے نہیں پاتے، کہ آدمی چڑھ جانے کے لئے لپکتا ہے، ٹکٹ دینے کی کھڑکی پر، مجمع ہوتا ہے، لیکن اس مجمع کو اس کے حق سے محروم کرکے چاہتا ہے، سب سے پہلے ٹکٹ اُسے مل جائے، یہ اور اسی طرح کی دوسری باتیں بھی ظاہر کرتی ہیں، کہ تربیت اجتماعی ناقص ہے، اور یہ نقص نہ ہوتا اگر گھر، مدرسہ اور سوسائٹی میں اس کا خیال رکھا جاتا۔

قاعدہ مقرر ہے کہ سواری بائیں ہاتھ پر چلنی چاہئے داہنا ہاتھ چھوڑ دینا چاہئے، لیکن بہت سے موٹر نشین اور ٹیکسی دان اس اصول کو نظر انداز کردیتے ہیں، نتیجہ یہ

ہوتا ہے کہ تصادم ہوتا ہے، کچھ مرتے ہیں، کچھ زخمی ہوتے ہیں، ایسا کیوں ہوتا ہے، صرف اجتماعی تربیت کے نقص کے سبب!

تہذیب و معقولیت

اسکول اور مدرسوں کی اقامت گاہوں کے ڈائننگ ہال کا ایک نظارہ کیجئے، بھانت بھانت کے لڑکے جمع ہیں دستر خوان بچھا ہوا ہے، کھانا چنا ہوا ہے، لیکن کھانے کے دستور و آئین کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، یہ لڑکے کھانا کھا رہے ہیں، لیکن کس طرح، کوئی ہاتھ سے کھا رہا ہے، حالانکہ چھری، کانٹا، چمچہ، ہر چیز سامنے موجود ہے، دوسرے صاحبزادے کی انگلیاں سالن سے تر بتر ہیں، لیکن تولیہ یا رومال کے استعمال کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ وہ سامنے ہے، گلاس سب کے سامنے پانی سے بھرا رکھا ہے، لیکن ایک ہی گلاس سے یکے بعد دیگرے، پانی پینے میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے، دستر خوان پر بیٹھے بیٹھے، اس کے کونے سے پاؤں پونچھنے میں بھی کوئی تامل نہیں، یہ سب حرکتیں اگر اجتماعی تربیت کا فتور نہیں ہیں تو کیا ہیں؟

لیکن اگر مدرسہ، گھر، اور سوسائٹی میں ان بظاہر چھوٹی لیکن بڑی اہم باتوں کا لحاظ رکھا جائے، تو یہ غلطیاں ہرگز سرزد نہ ہوں، ماں باپ سب سے زیادہ جس چیز کو غیر ضروری سمجھتے ہیں وہ اجتماعی تربیت ہے، یہی حال، استانیوں، اور استادوں کا ہے، انھیں بھی اس سے عام طور پر کوئی دلچسپی نہیں ہوتی،

اوپر جو مثالیں ہم نے درج کیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ تربیت اجتماعی کیسا ضروری ہے اور لابدی ہے اس تربیت کا پہلا مرکز گھر ہے، دوسرا مدرسہ اور تیسرا سماج، جس طرح بچہ کا بڑا وقت گھر میں خرچ ہوتا ہے، اسی طرح کافی وقت مدرسہ میں بھی صرف ہوتا ہے، اور سوسائٹی میں بھی وقت کا معقول حصہ بسر ہوتا ہے، پس یہ تینوں درحقیقت اجتماعی تربیت کے بہترین مراکز ہیں، جو شخص اس تربیت سے بہرہ ور ہوگا، وہی اپنی جماعت، سماج، قوم، اور وطن کے کام آسکتا ہے۔

اجتماعی کاروبار!

ہمارا کاروباری کمپنیوں پر ایک نظر ڈالئے جو مالک اجتماعی تربیت سے محروم ہیں وہاں یہ اجتماعی کاروبار زیادہ تر، غیروں، اور بدیسیوں کے ہاتھ میں ہے، چاہے وہ بجلی کی کمپنی ہو، یا واٹر سپلائی کارپوریشن یا ٹرام کمپنی، تمام بڑی بڑی ملکی کمپنیاں زیادہ تر غیرملکیوں کے ہاتھ میں ملیں گی، اگر ہمیں بچپن میں اجتماعی تربیت ملی ہوتی مل کر کام کرنے کا ہم میں سلیقہ ہوتا، اشتراک عمل، اور تعاون کی اہمیت ہم سمجھتے ہوتے تو یہ تمام کمپنیاں صرف ہمارے ہاتھ ہوتیں، صرف ہماری ہوتیں، اس طرح غیر ملکیوں کو موقع دے کر، ہم اپنا مالی نقصان نہیں کرتے، بلکہ سب سے بڑی چیز جو ہم کھوتے ہیں، یہ ہے کہ اعتماد نفس سے محروم ہو جاتے ہیں،

تربیت جمالی

بچّہ پیدا ہوتے ہی اچھی اور خوب صورت چیز کی طرف لپکتا ہے، ذرا سا ہوش سنبھالتے ہی، اس میں تجسس اور معلومات کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ انسان فطرتاً حُسن پسند ہے، وہ اپنی جبلّت کے لحاظ سے اس کا جویا رہتا ہے کہ کوئی نئی اور عجیب بات معلوم ہو، کوئی اچھی اور خوب صورت مورت نظر آئے، تربیت جمالی کا مقصد یہ ہے کہ بچّہ میں شروع ہی سے اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کرنے کا مادہ پیدا ہو جائے۔

اصول اور منہاج

تربیت جمالی کا اصول اور منہاج کیا ہے؟ ایسی چیزوں سے سابقہ، جو اس جذبہ اور مادہ کو ابھاریں، مثلاً اچھا گھر جو خوب آراستہ پیراستہ ہو، خوشنما باغ اور باغیچہ کی سیر، دل آویز تصویریں، اور مجسّمے، آنکھوں میں کھب جانے والے رنگ، رنگین نقش و نگار، پھول، پتیاں، ترشے ہوئے پتھر، کیاریاں، گلدستہ، روشیں، یہ سب چیزیں بچّہ کی حسّ جمیل کو اُجاگر کرتی ہیں، ان چیزوں کا

لحاظ جتنا گھر میں ضروری ہے، اتنا ہی مدرسہ میں بھی لابدی ہے، مدرسہ کے درجہ میں، ایسی تصویریں آویزاں ہونی چاہئیں، جو ذوقِ سلیم کی آئینہ دار ہوں، موسیقی نغمے، اور شعر خوانی سے بھی، بشرطیکہ بہتر طرز میں ہوں، جمالی مادہ پروان چڑھتا ہے، شعر اور موسیقی کی تعبیر بھی اس طرح کرنی چاہئے کہ اس سے بھی حسن ہویدا ہو، لکھنا سکھاتے وقت حروف اس طرح لکھے اور لکھوائے جائیں کہ وہ خوشنما اور دیدہ زیب ہوں، اور بچّہ کی طبیعت اپنی طرف کھینچ لیں، ان تمام چیزوں کے دکھانے اور سکھانے میں، وقت، نظر، ترتیب، اور نظام کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیئے۔

تربیت جمالی میں مدرس کو تلمیذ کے ذہن و دماغ میں، خوبی اور خوب صورتی کا نقش قائم کر دینا چاہیئے۔ تاکہ وہ خود اس طرف مائل ہو، اچھی چیز کو دیکھے، اچھی آواز کو سُنے، اچھے کام کو پسند کرے، ایسے مناظر جمیلہ دکھائے جائیں اور اس کی حس اُبھاری جائے،

زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ بچوں کے مقابلہ میں بچیوں میں جمالی حس پیدا کرنے کی بالکل ضرورت نہیں محسوس کی جاتی، حالانکہ وہ بچّوں کے مقابلہ میں اس کی زیادہ مستحق ہیں، آج وہ بچّی ہیں، کل وہ ماں بنیں گی، یہ ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے گھر کو خوبصورت بنائیں، اور نئی امت جو پیدا کریں اس کی جمالی تربیت بھی کریں، دوسرے گھر میں جاکر انھیں

گھر کو سنوارنا ہے، اس کا انتظام کرنا ہے، اپنے بچوں کے کپڑے سینا ہیں تکیہ کے غلاف، رومال، میز پوش اور چادریں کاڑھنی ہیں، اور اگر ماں بننے والی عورت کی تربیت جمالی ناقص ہے تو وہ ان میں سے کوئی کام بھی اچھی طرح نہیں کر سکے گی۔

خلاصہ کلام! خلاصہ کلام یہ کہ کل جس انداز میں تربیت ہوتی تھی، آج وہ انداز بدل چکا ہے، مذہب اسلام نے تربیت پر خاص زور دیا ہے، وہ دین و دنیا کو ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہے اور یہ بجز بہترین تربیت کے ممکن نہیں، خدائے بزرگ و برتر اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے :۔ "اللہ نے تمہارے لئے آخرت میں جو کچھ رکھا ہے اُسے حاصل کرنے کی کوشش کرو، لیکن دنیا میں تمہارا جو حصہ ہے اُسے فراموش نہ کرو!" سرکار دو عالم ؐ کا ارشاد ہے :۔ "تم میں سے وہ آدمی اچھا نہیں ہے، جس نے دنیا کے لئے آخرت چھوڑ دی، نہ وہ جس نے آخرت کے لئے دنیا چھوڑ دی، بلکہ تم میں بہتر وہ ہے جس نے یہ بھی لیا، اور وہ بھی لیا!" ایک اور موقع پر ارشاد ہوا :۔ "دنیا کا کام اس طرح کرو، جیسے تم ہمیشہ زندہ رہو گے، اور آخرت کا کام اس طرح کرو، جیسے کل ہی مر جاؤ گے!"

ان ارشادات کا حاصل کیا ہے؟ ——— یہ کہ ہم کسی ایک چیز سے نہ چمٹ جائیں، دنیا کو پکڑیں

تو دنیا ہی کے نہ ہو رہیں ، آخرت کی طرف متوجہ ہوں تو دنیا سے منہ نہ موڑیں ، بلکہ غلو کو چھوڑ کر اعتدال کا راستہ اختیار کریں ، اور دین و دنیا دونوں کو حاصل کرنے کی کوشش کریں ، ہمیں چاہئے ، کہ ہم ہر نوع کی تربیت حاصل کریں ، ہر کام کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں ، اور جو کچھ کریں اچھی طرح کریں ، ہم جب تک جئیں ، تو اچھی اور شاندار زندگی کے مالک ہوں ، اور ساتھ ہی ساتھ ہمارا دین بھی مکمل ہو ، خدا نے جو نعمتیں ہمیں دی ہیں ، ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں اور کسی شعبہ میں بھی ناقص اور کمزور نہ رہیں !

اغراض تربیت

جان رسکنؒ کا قول ہے :-

"جب تم کوئی کام کرو، تو اس کا کھوج لگاؤ، اس کام کی طرف تمھیں کس جذبہ اور خیال نے متوجہ کیا؟ "کرون" کے اسباب و بواعث، افراد و اشخاص کے ساتھ بدلتے رہتے ہیں، جب تم یہ کھوج لگاؤ گے، تو گویا ایک راز کی نقاب کشائی کروگے، جب تم یہ کھوج لگاؤ گے، تو تمھیں اندازہ ہوگا کہ سب کچھ انھی میں ہے، ہوسکتا ہے کہ صبح کو ایک جذبہ تمھیں ایک کام کرنے پر مائل کرے، اور شام کو فکر و خیال ایک دوسرا دروازہ عمل کا کھول دیں، لیکن جب بھی کچھ کرو پہلے یہ سوچ لو، اس عمل کا محرک اور باعث کیا ہے؟"

لہ Jhon Ruskin ولادت ۱۸۱۹ء وفات ۱۹۰۰ء
بہت بڑا انگریز ادیب، اور مصلح تھا۔

اجتماعی مفاد:

اس قول پر میرا اضافہ یہ ہے کہ شخصی اور اجتماعی مفاد کا تقاضا یہ ہے کہ جب ہم تربیت کا شعبہ سنبھالیں، اور کسی خاص قسم کی تربیت دینا چاہیں، تو ہمیں سب سے پہلے
——— مدرس کو مدرسہ میں، اور تلمیذ کو درجہ میں داخل ہونے سے پیشتر ——— یہ سوچنا چاہیئے کہ اس تربیت کا مقصد، اور منشا کیا ہے؟

اس بحث کا کہ تربیت کے اغراض کیا ہیں؟ مدار اس پر ہے کہ ہم حقائق ممکنہ کی تلاش میں بہت دور نکل جائیں، لیکن اغراض حقائق سے زیادہ بڑے ہیں تمام دور از کار باتوں سے پیشتر یہ سمجھ لینا چاہیئے، کہ اصل چیز عمل ہے، وہ عمل جو خالص، اور صحیح ہو، اور یہ بغیر تربیت کاملہ کے نہیں حاصل ہوسکتا، تربیت کی اصل غرض و غایت صرف یہ ہے کہ غلطیاں کم سے کم ہوں، اور ناسمجھی کی بنا پر بالکل نہ ہوں، تاکہ تلامیذ، اچھی اور مکمل زندگی بسر کرنے کی استعداد پیدا کرسکیں، صرف اس طرح نہیں کہ امتحانات میں سوالات کا جواب خاطر خواہ دے دیا، بلکہ اس طرح کہ علم اور اس کی ماہیت، ان کے عمل سے آشکارا ہو، ان میں اپنے اوپر اعتماد کرنے کی صلاحیت اور حوصلہ ہو،

اب ہم، اس سلسلہ میں، کچھ اور باتیں، جو نفس مسئلہ سے خاص تعلق رکھتی ہیں، لکھیں گے:-

غرض و غایت

فروبل ، اسٹینلی ہال[1] ، جان ڈیوی[2] ماریا مانٹسوری[3] اور ہیلن پارکھرسٹ[4] کا شمار تربیت و تعلیم کے خاص الخاص رہنماؤں میں ہے ، اور ان سب کا اس پر اتفاق ہے کہ تربیت کی غرض و غایت درجۂ کمال تک پہونچنا زندگی کو خوشگوار بنانا ، اور زندگی بسر کرنے

۱ھ - (Stanley Hall) - علم النفس اور تربیت کا ماہر خصوصی ، امریکی نژاد ، اس کی ایک کتاب بہت مشہور ہے -
"The Adolescence"

۲ھ - (Jhon Dewey) -- امریکی فلسفی ، عصر حاضر کا بہترین تربیت داں ، اور فلسفی ، اخلاق علم النفس اور تربیت پر متعدد قیمتی کتابوں کا مصنف دنیائے تربیت میں غیر فانی شخصیت کا حامل ہے ، اس کی مندرجہ ذیل کتابیں خاص طور پر ، قابل ذکر ہیں -

"Schools of Jomorrow" "How we Think"
"Ethics," and "Democracy of Education"

۳ھ - "Maria Montessori" اٹلی کی مشہور طبیبہ اور ماہر فن تربیت ، یہ بھی اس فن پر بہت سی کتابوں کی مؤلف ہے -

۴ھ - "Miss Helen Parkhurst" امریکہ وطن ہے ، عصر حاضر میں فن تربیت کی مانی ہوئی استاد ہے اپنا ایک مخصوص طریقۂ تعلیم و تربیت رکھتی ہے ، جو متعدد مدارس عالم میں جاری ہے !

کے صحیح اصولوں کو معلوم کرتا ہے، تربیت زندگی کے تمام پہلوؤں کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہے، وہ فکر، شعور اور عمل کسی چیز کو نہیں چھوڑتی، وہ بچّہ کی زندگی کے ہر لمحہ اور دن پر گہری نظر رکھتی ہے

ارسطو کا قول تھا، کہ تربیت "ایک نئے آدمی کو ایجاد کرتی ہے، جو فکر و عمل ہر اعتبار سے بڑا ہوتا ہے" ڈاکٹر آرنلڈ، مشہور انگریز ماہر تعلیم و تربیت کا قول ہے کہ "تربیت سے فکر میں اعتدال اور عمل میں توازن پیدا ہوتا ہے"

ہمارے مدرسوں میں تربیت کی اصل غرض و غایت بہت کم حاصل ہوتی ہے، لہذا نتیجہ یہ ہوتا ہے، کہ شاگرد، عمل اور ذہنی اعتبار سے ناکام رہتا ہے، لیکن جن ممالک نے ——— مثلاً ——— جاپان، امریکہ انگلستان وغیرہ ——— اس کی غرض و غایت سمجھ لی ہے، وہ اپنے طلبہ کو صحیح معنی میں زیور تربیت و تعلیم سے آراستہ کردیتے ہیں۔

چینی مدنیت!

قدیم چینی اور ایتھنی مدنیت میں کافی فرق ہے، مثلاً یونان کے ایتھنی بڑے چست و چالاک تھے، اور چینی سست، اور کاہل، یہی چیز ان دونوں قوموں کے لٹریچر اور کردار میں بھی ملتی ہے، کسی ایتھنی کو اگر دیس نکالا دیا جاتا تھا، تو وہ جھٹ ایک جماعت تیار کرکے اس کا لیڈر بن جاتا تھا، تاکہ اپنے دیس، اور اپنی حکومت کے پایۂ تخت

پر قبضہ کر کے، اگر کسی چینی کو دیس نکالا ملتا تھا، تو قسمت پر شاکر ہو کر وہ کسی پہاڑ کی کھو یا غار میں، گوشہ نشین ہو جاتا تھا، اور یادِ الٰہی میں عمر بسر کر دیتا تھا، ان دونوں تمدنوں کا یہ فرق کیا تربیت کا فرق نہیں ہے؟ جیسی تربیت ویسا نتیجہ، اور اس کا پرتو قوم کے کردار اور عمل ہیں!!

مثلاً آخری جنگِ عظیم سے پہلے کے جاپان کو دیکھیے اس کے ہاں تربیت کی غرض و غایت صرف ایک تھی، ایجاد، اختراع! ایک نئی قوم کی ایجاد، ایک نئی قوم کی اختراع، چنانچہ اس نے ایک ایسی قوم ایجاد کر لی، جو مہذب تھی، محبِ وطن تھی، حکومت کی وفادار تھی علم کی شائق، اور تبلیغِ علم کی حریص تھی، جاپان نے بہت تھوڑی مدت میں ترقی کر لی، اور یہ سب تربیت ہی کا طفیل تھا، جاپان نے دوسروں کے بالعموم، اور انگریزوں کے بالخصوص، تجارت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا، اور اس فائدے کو اپنے مکتبوں اور مدرسوں میں عام کر دیا انھوں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا، اور اپنے کام میں لگ گئے، اور آخرکار وہ عمل کی منزل تک پہنچ گئے جاپان کی ترقی اور فروغ کا صرف یہی ایک سبب ہے، تربیت و تعلیم کے بارے میں جاپانی بڑے مستعد اور سخت ہیں، رعایت کرنا اور نرمی برتنا جانتے ہی نہیں، اُن کا عقیدہ ہے، علم مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن نہیں۔ عہدِ قدیم کے عیسائیوں کو دیکھیے، انھوں نے پہلے

ہی قدم پر ٹھوکر کھائی ، اُن کی تعلیم و تربیت کا مقصد وحید کلیسا (گرجا) کی خدمت تھی ، وہ شاگرد کے بارے میں کچھ نہیں سوچتے تھے ، صرف کلیسا کی خدمت اُن کے پیشِ نظر رہتی تھی ، دور بین مورخوں کا خیال ہے کہ فرانس کی بغاوت ، درحقیقت اسی کلیسا پرستی ، اور غلط انداز کی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھی ، مواد پکتا رہا ، اور آخر ایک دن پھوٹ پڑا ،

انگریزوں کا اندازِ تربیت !

آب انگریزوں کے اندازِ تربیت و تعلیم کو دیکھئے ، اُن کے ہاں تربیت کا مقصد و منشا یہ ہے کہ حکمران قوم پیدا کریں ، جو اپنے اوپر بھی حکومت کرے ، اور دوسروں پر بھی ان کا حکم چلائے ، لیکن یہ مقصد نہیں حاصل ہو سکتا ، اگر وہاں کے استاد ، اپنے شاگردوں میں خوش کار تحمل ، برداشت ، ضبطِ نفس ، کا مادّہ نہ پیدا کریں ، اگر ان میں صحت جسم کا احساس نہ پیدا کیا جائے ، اس تربیت کا آنکھوں دیکھا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کے بڑے حصہ پر ان انگریزوں نے ٹھاٹھ اور شان سے حکومت کی ، جو اس تربیت سے بہرہ ور تھے ، انگریزوں میں اگر قدامت پرستی بہرحال نہ ہوتی اور روایات قدیمہ کے ڈھرے پر چلنے کا مرض نہ ہوتا ، تو شاید وہ آج دنیا کی سب سے بڑی قوم کے فرد ہوتے -

امریکہ کے مدارس و مکاتیب پر ایک نظر ڈالئے ، امریکی تربیت کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے مختلف

مذاہب کے پرستاروں ، مختلف تہذیبوں کے فرزندوں
مختلف قومیت اور جنسیت رکھنے والوں کے متضاد،
اور متبائن مجموعہ کو ایک قوم ، ایک جنس اور ایک وحدت
بنا دیا ، امریکنوں کو ایک خاص بات بڑھنے اور پھلنے پھولنے
میں یہ آسانی تھی کہ انگریزوں کی طرح وہ روایات قدیمہ
کے چکر میں نہیں پھنسے ہوئے تھے ، اس لئے کہ روایات
موروثی کے خزانے سے ان کا ماضی بالکل خالی تھا،
اس لئے وہ ارسٹا کریسی کے عیب سے بری رہے اور
ڈیموکریسی کی نعمت سے مالا مال ہوگئے ۔ امریکہ میں لوگ
پہنچے وہ ارسٹاکریسی کو بھول گئے ، اور ڈیموکریسی کا کلمہ
پڑھنے لگے ، اب وہ مختلف ممالک ، اور قومیتوں کے
باشندے امریکی ہیں ، صرف امریکی اور کچھ نہیں ، فرض کیجیے
نوواردوں کو پاس کچھ تڑپ اپنے قدیم وطن اور ماضی کی ہو بھی،
لیکن ان کے لئے ، تو امریکی کے سوا کچھ اور بن ہی
نہیں سکتے ، وہاں کے مدرسے ان بچوں کو خالص
امریکی رنگ میں رنگنے ، ان کے امیال و عواطف کو
امریکی سانچے میں ڈھالنے کے قابل قدر فرائض انجام
دے رہے ہیں ، اور اس کا اثر ، ان کے اخلاق و
عادات پر بڑا گہرا پڑ رہا ہے ۔

اغراض ومقاصد کی تبدیلی !

اب ہم پھر اپنے سابقہ موضوع گفتگو
پر آتے ہیں ، یعنی اقوام وملل کے ساتھ ساتھ تربیت
کے اغراض و مقاصد بھی بدل جاتے ہیں اور اس

اصول کو پیش نظر رکھ کر، اغراض تربیت کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر ہم گفتگو کرتے ہیں۔

مقصد زندگی!

اکثر باپ، خاص کر صناع، تربیت و تعلیم کا مقصد صرف یہ سمجھتے ہیں کہ آگے چل کر بچہ، روٹی کما سکے، یہی وجہ ہے کہ وہ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنا کام بھی سکھانے لگتے ہیں، بعض کا تو یہ خیال ہوتا ہے کہ پڑھنے لکھنے میں وقت ضائع کرانے سے کیا فائدہ؟ کیوں نہ بچہ کو ابھی سے لوہاری یا زرگری کے کام پر ڈال دیا جائے۔

اس قسم کے خیالات اکثر ان اقوام کے افراد کے دلوں کو اپنا نشیمن بناتے ہیں۔ جو نادار اور غریب ہوتی ہیں، وہ علم کو علم کی حیثیت سے کوئی اہمیت ہی نہیں دیتے وہ صرف یہ چاہتے ہیں کہ ان کا بچہ، حرف شناس ہو جائے۔ خط لکھ پڑھ لے، تھوڑا سا حساب سیکھ لے، اور صناعی کاموں میں لگ جائے، تاکہ اپنی زندگی ہی میں وہ بیٹے کی کمائی کھا سکیں،

ہم حرفتی اور صنعتی کاموں کے سیکھنے کے مخالف نہیں ہیں، لیکن، لیکن ہم اسے پسند نہیں کرتے، کہ تعلیمات کو نظر انداز کر دیا جائے، اس طرح جو فن حاصل ہوگا، وہ زیادہ اچھا کام نہیں دے سکے گا، اگر کوئی آدمی بالکل مجبور ہے تو اُسے اختیار ہے کہ اپنے لڑکے کو بغیر کچھ پڑھائے ہوئے اپنے کام میں لگا لے، لیکن تعلیم کے بغیر وہ فوائد حاصل

ہو سکتے جو حاصل ہونے چاہئیں۔

بلاشبہ روزی کمانے کا مسئلہ ہر شخص کی زندگی کا اہم ترین اور پیچیدہ ترین مسئلہ ہے، لیکن آدمی صرف کمانے ہی کے لئے تو زندہ نہیں رہتا، بلکہ کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں، جو روزگار سے زیادہ اہمیت رکھتی ہیں۔ ہمیں بھی سوچنا چاہیئے، مثلاً ایک کاریگر نے وقت مقررہ تک کام کیا، اور فرصت مل گئی، اب باقی وقت کیا کرے گا؟ وہ کچھ پڑھ نہیں سکتا، کچھ لکھ نہیں سکتا، اب یہ سارا خالی وقت کس مصرف میں صرف ہو گا؟ وہ یہ وقت آوارہ گردی میں صرف کرے گا، حکومت کا فرض تو یہ ہے کہ وہ جاہل مزدوروں کو بھی خواندہ بنائے تاکہ ان کا فاضل وقت ضائع نہ جائے۔ اور وہ کام کے آدمی بن سکیں، اور ملک و قوم کے مفید جزو ثابت ہوں۔

تحصیل علم!

بعض معلّمین کا خیال ہے کہ تربیت، تعلیم کے مرادف ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط اور مہمل خیال ہے، علم اپنی جگہ پر ہے، اور عمل اپنی جگہ پر، اور تربیت اپنی جگہ پر، ایک آدمی گرامر کے تمام قواعد اذبر کرے۔ معانی، بیان، بدیع فصاحت، بلاغت کا ایک ایک اصول گرہ میں باندھ لے، لیکن نہ وہ کوئی اچھی کتاب لکھ سکتا ہے، نہ عمدہ مقالہ نہ کسی کتاب پر فنی اعتبار سے نقد و تبصرہ کر سکتا ہے نہ کسی نئے موضوع کو تلاش کر سکتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ اس کا علم، عمل سے ہم آہنگ نہیں ہے، یہ چیزیں لازم و ملزوم ہیں،

اگر الگ الگ رہیں گی - تو ناکامی ہوگی، مل جائیں گی، تو کامیابی،

ہماری قوم میں ذہانت کی کمی نہیں ہے، ہے، لیکن قبر میں دفن ہے، اس لئے کہ طلبہ کی تربیت صحیح اصولوں پر نہیں ہوتی، ان میں سوجھ بوجھ ہے، لیکن خام، ہم نے رٹنے کو حاصل کامرانی سمجھ لیا ہے، حالانکہ رٹائی سے کچھ نہیں ہوتا، اصل چیز ہے علم کے ساتھ، تربیت، عقل و دماغ، ذکاوت و ذہانت، جسم و بدن، روح و فکر، ہر ہر جزو کی تربیت، صرف اس طرح ہمارا علم کامیاب اور با مقصد ہو سکتا ہے، بغیر اس کے ہرگز نہیں

حیات کاملہ! اس سے قبل کسی موقع پر ہم مختصر الفاظ میں، تربیت اور حیات کاملہ کے موضوع پر، الگ الگ اظہار خیال کر چکے ہیں، لیکن وہ ناکافی ہے، اس سلسلہ میں کچھ اور باتیں بھی کرتی ہیں،

ہربرٹ اسپنسر کا خیال ہے کہ تربیت کا مقصد و منشا یہ ہے کہ انسان کو مکمل زندگی بسر کرنے کا عادی بنا دیا جائے، اور وہ اس وقت تک حیات کامل کا حامل نہیں ہو سکتا، جب تک، . . . . . وہ طبعی اور تہذیبی طور پر کامل نہ ہو۔ طبعی اور تہذیبی طور پر کمال حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ جسم عقل، اخلاق، قلب، ذوق، ہاتھ، زبان، ہر چیز تربیت یافتہ ہو یہ نہیں ہو سکتا ہم ان میں سے کسی ایک یا چند کو تو سدھار لیں، اور باقی کو نظر انداز کردیں،

حیات کاملہ کیا ہے ؟ کس طرح ہم اس منزلِ مقصود تک پہونچ سکتے ہیں ؟ جواب بالکل آسان اور سہل ہے ، تربیت کا مقصد پٹھوں کی قوت نہیں ہے ، نہ ذہن و دماغ کی ورزش ہے ، بلکہ یہ ہے کہ اخلاق کو مستحکم بنا لیا جائے ، یہ غرض تمام اغراض پر حاوی اور بھاری ہے۔

لیکن اس کا ہر گز یہ مطلب نہیں ہے کہ اخلاق کی آراستگی کے ساتھ ، جسم ، عقل ، اور وجدان وغیرہ کو فراموش کر دیا جائے ، لیکن اگر اس کا اخلاق مکمل ہے تو وہ خود ہر چیز کی تکمیل آسانی کے ساتھ کرے گا ،

اخلاق کی تربیت اور کامل زندگی بسر کرنے کی رہنمائی کا کام صرف مدرسہ ہی بہتر طور پر انجام دے سکتا ہے ، بشرطیکہ مدرس صاحبان فرض شناس ہوں ، وہ اپنی اور طلبہ کی اہمیت سے پورے طور پر خبردار ہوں ، وہ شاگرد کی نفسیات سے واقف ہوں ، اس کے ذہن و دماغ کو صحیح راستے پر لگا سکتے ہوں ، یہ کام ، ڈانٹ ڈپٹ اور مار دھاڑ سے نہیں بن سکتا ، اس لئے ضروری ہے کہ استاد ، صحیح معنی میں تربیت خلقی پر قادر ہو ، وعظ سے بھی اس مقصد میں کامیابی نہیں ہو سکتی ، ہو سکتی ہوتی تو یہ فساد اخلاق ، جو ہر طرف نظر آرہا ہے ، نہ ہوتا ،

اگر بچہ کو حیات کاملہ کے لئے تیار کرنا ہے ، تو استاد کا فرض ہے کہ وہ اس کی کسی نوع کی تربیت

غیر مرتب اور غیر منطقی ہوگی - بچہ تین برس کی عمر تک پہنچتے پہنچتے اپنی فکر پسندی کی علامتیں ظاہر کرنے لگتا ہے - جب کھیلے گا تو بچہ کچھ نہ کچھ سوال ضرور کرے گا - کھیل کا ساتھی چلا جائے گا ، تو اس کے بارے میں سوالات اگر اس کا تنجان ٹوٹ جائے ، یا بادل گرجے ، یا کسی چڑیا پر نظر ہے - تو ضرور کچھ نہ کچھ پوچھے گا - لیکن ان تمام سوالات کی رُوح یہ ہوگی کہ گویا وہ علم و اطلاع حاصل کرنا چاہتا ہے ؎

بچہ کی ذکاوت اور ذہانت کا اندازہ اس کی باتوں اس کی تشبیہوں اور توجیہوں سے ہوتا ہے - اگر آپ بچوں کی باتوں پر کان دھریں تو بہت سے جواہر ریزے آپ کو ملیں گے ؎